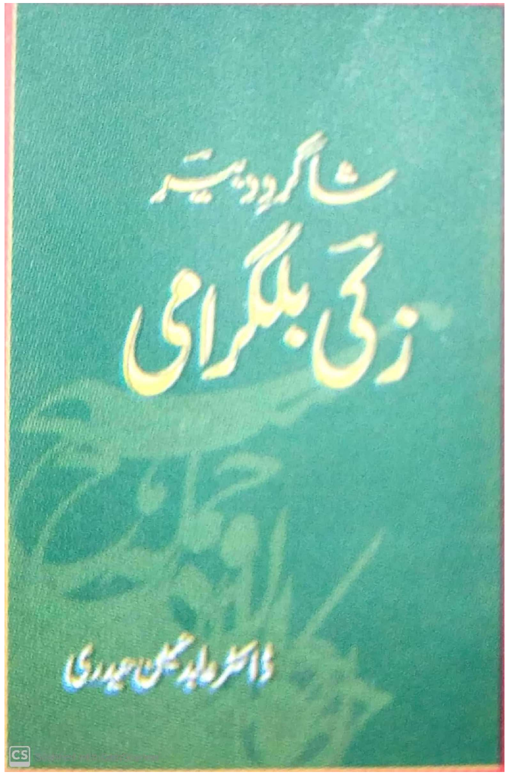
شاگرد دبیر
زکی بلگرامی
ڈاکٹر عابد حسین حیدری

شاگرد دبیرؔ: زکیؔ بلگرامی

شاگرد دبیرؔ
زکیؔ بلگرامی

ڈاکٹر عابد حسین حیدری

©جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

نام کتاب: شاگرد دبیرؔ: زکیؔ بلگرامی
مصنف وناشر: ڈاکٹر عابد حسین حیدری
سنہ اشاعت اوّل: ۲۰۱۵ء
تعداد: ۴۰۰
طباعت:
کمپوزنگ: زرقاء رحمٰن
قیمت: ۱۶۰ روپئے (160=00)
پیشکش: ایلیا پبلی کیشنز، عباسی ٹولہ کوٹ غربی سنبھل۔ یوپی
تقسیم کار:

SHAGIRD-E-DABEER ZAKI BILGRAMI
BY
DR. ABID HUSAIN HAIDARI

HOD Urdu M.G.M. (P.G.) College, Sambhal
Add: ALIYA MENTION, ABBASI TOLA, KOT (W)
Sambhal, 244302 (U.P.) INDIA
Mob: 9411097150- E:mail-drabidhusain@gmail.com

نذر

اہل بیت علیہم السلام
خصوصاً
حضرت ولی عصر عجل اللہ کی بارگاہ میں
اس التماس کے ساتھ

یا خدا مرثیہ گوئی کا چلن ختم نہ ہو
نکتہ داں ایسے بہم ہوں کہ یہ فن ختم نہ ہو

انتساب

ہمشیرۂ محترمہ ساجدہ صغریٰ مرحومہ
(متوفیہ ۲٦؍ربیع الاول ۱۴۲۱ھ مطابق ۲۹؍جون ۲۰۰۰ء)

اور

برادر نسبتی جناب امداد علی مرحوم
جن کی محبتیں و شفقتیں میری زندگی کا عظیم سرمایہ ہیں۔

ترتیب

☆قطعۂ تاریخ طباعت	توفیق آزاد ایڈوکیٹ (علیگ)	۸
☆ابتدائیہ	ڈاکٹر عابد حسین حیدری	۹
☆پیش لفظ	ڈاکٹر حسن مثنیٰ	۱۱
☆پیش گفتار	جناب لئیق رضوی	۱۳
☆ادب کے عابد کی ضوفشانی	ڈاکٹر راشد عزیز	۱۵
☆شاگرد دبیر: زکی بلگرامی		۱۹
☆غیر مطبوعہ مرثیے		
(۱) سرچشمۂ عطا خلف بوتراب ہے		۴۹
(۲) آئینہ دار بزم سخن ہے زباں مری		۷۹
☆حواشی واستدراک		۱۳۴
مختصر سوانحی خاکہ		۱۳۵

قطعۂ تاریخ طباعت

شاگرد دبیر زکی بلگرامی مولفہ ڈاکٹر عابد حیدری
صدر شعبۂ اردو، ایم جی ایم پی جی کالج، سنبھل (یوپی)
حسب فرمائش
حضرت سلطان محمد خاں کلیم و جناب شفیق الرحمٰن برکاتی

☆☆☆

محقق ہیں عمدہ نہیں کوئی خامی
بفضلِ خدا ہے یہ سب نیک نامی
طباعت کی تاریخ توفیق کہیے
بہ الفاظِ عابد "زکی بلگرامی"

۱۴۳۶ھ

نتیجۂ فکر: توفیق آزاد ایڈوکیٹ (علیگ)

ابتدائیہ

اتر پردیش کا مردم خیز قصبہ بلگرام جہاں کے علمی وادبی کارنامے تاریخ کے صفحات پر روزِ روشن کی طرح عیاں ہیں۔ اودھ کا یہ مردم خیز خطہ بلگرام کے سادات کے بزرگ واسط سے آئے تھے جو کربلا کے پاس ایک قصبہ ہے۔ سادات کرام کا یہ کنبہ اپنے سینوں میں علمی وراثت سنبھالے ملک اودھ کے قصبہ بلگرام پہنچا اور پھر یہاں کے نونہالوں نے سیف وقلم کے ذریعہ پورے ہندوستان ہی نہیں بلکہ بیرونِ ہند میں بھی ایسے کارہائے نمایاں انجام دئے جس سے آج بھی تاریخ کے اوراق چمک رہے ہیں۔ میر غلام علی آزاد بلگرامی سے لے کر سید اولاد حیدر فوق بلگرامی تک علم وادب وتاریخ کی ایسی کڑی کم ہی بستیوں کے حصے میں آئی ہوگی جس نے مذہب وادب دونوں میں نمایاں خدمات انجام دی ہوں۔

میر محمد زکی، زکی بلگرامی کا تعلق بھی اسی مردم خیز بستی بلگرام سے تھا۔ لیکن اپنی خداداد صلاحیت کے بل بوتے لکھنؤ، عظیم آباد اور رام پور میں نام پیدا کیا۔ مرثیہ کے عظیم شاعر مرزا سلامت علی دبیر کی شاگردی اختیار کی اور استاد ہی کے عہد میں مرثیہ گوئی میں شہرت کے جھنڈے گاڑ دیئے۔ افسوس کہ اس گوناگوں صفات کے حامل شاعر کو ان کے عہد ہی میں شہرت بھی ملی اور تذکرہ نگاروں نے بھی اپنے تذکروں میں جگہ دی لیکن کلام غیر مطبوعہ رہنے کے سبب عہدِ حاضر قارئین رثائیات کی توجہ کا مرکز نہ بن سکے۔ چونکہ مرثیہ کے ناقدین نے مرثیہ کو صرف انیس و دبیر ہی تک محدود رکھا بلکہ حق تو یہ ہے کہ دبیر جیسے اہم شاعر کو بھی ناقدین نے وہ جگہ نہ دی جس کے وہ مستحق تھے۔ مرثیہ پر یہ الزام لگتا رہا کہ یہ رونے

رلانے کی چیز ہے اور اس کی فنی باریکیوں اور لطافتوں کو نظر انداز کر دیا گیا۔ نیز مرثیہ نگار شعراء کے ورثا کی ان کے کلام پر غیر ضروری نگہداشت نے بھی اس میں اہم رول ادا کیا اب گو کہ صورت حال بدلی ہے اور قدیم مرثیہ نگاروں کے بہت سے کلام شائع ہو کر منظر عام پر آ رہے ہیں لیکن ابھی بھی زیادہ تر کلام قلمی بیاضوں اور بستوں میں منتظرِ اشاعت ہے۔

’شاگرد دبیر: زکی بلگرامی‘ دراصل ’نام نیک رفتگاں ضائع مکن‘ کے جذبہ کے تحت دبیر کے اس اہم شاگرد کو رثائی ادب کے قارئین سے متعارف کرانے کی ایک کوشش ہے۔ میں نے اپنے محدود مطالعے کے تحت نہ صرف یہ کہ ان کے حالاتِ زندگی کو یکجا کیا ہے بلکہ اپنی بساط کے مطابق ان کے فن پر گفتگو بھی کی ہے۔ نیز ان کے دو غیر مطبوعہ مرثیے جو جناب کرار حسین رضوی بلگرامی کے بستہ سے دستیاب ہوئے ہیں انھیں بھی شاملِ اشاعت کر دیا ہے۔ میں اپنی اس طالب علمانہ کوشش میں کہاں تک کامیاب ہوا ہوں اس کا فیصلہ اہلِ نظر ہی کر سکتے ہیں۔ میں یہاں پر ان تمام حضرات کا بھی شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں جنھوں نے اس کتاب کی تکمیل میں کسی نہ کسی مرحلہ پر میری مدد فرمائی۔ یہ کتاب اربابِ علم و دانش اور صاحبانِ فکر ونظر کی خدمت میں اس امید کے ساتھ پیش کی جا رہی ہے کہ خامیوں کو تنقید کا نشانہ بنانے کے بجائے اس کی نشاندہی ضرور فرمائیں گے۔

خادمِ ادب
ڈاکٹر عابد حسین حیدری
صدر شعبۂ اردو
ایم جی ایم پوسٹ گریجویٹ کالج سنبھل

۱۰؍فروری ۲۰۱۵ء

پیش لفظ

ڈاکٹر عابد حسین حیدری کی شخصیت اردو کے علمی وادبی حلقوں میں محتاجِ تعارف نہیں ہے۔ ملک و بیرونِ ملک کے رسائل و جرائد میں ان کے ادبی نگارشات شائع ہوتے رہتے ہیں اور اب انھیں اردو کے نئے قلم کاروں میں معتبر اور سنجیدہ ناقد و محقق شمار کیا جاتا ہے۔ یوں تو ڈاکٹر عابد حیدری مختلف موضوعات پر مضامین لکھ کر ادبی دنیا کی توجہ کا مرکز رہے ہیں لیکن رثائی ادب پر ان کی کئی تصنیفات نے خصوصی طور پر متوجہ کیا ہے۔ ان کی تصنیف ’اردو میں شخصی مرثیے کی روایت‘ نے رثائی ادب کے دوسرے موضوع یعنی شخصی مرثیہ پر کام کرنے کی راہ ہموار کی ہے۔

ڈاکٹر عابد حیدری ایک سلجھے ہوئے ادیب اور محقق و نقاد کی حیثیت سے ادبی دنیا میں شناخت رکھتے ہیں۔ اردو زبان وادب کی تدریس ان کا پیشہ ہے اور تصنیف و تالیف ان کا مشغلہ۔ وہ ایم جی ایم پوسٹ گریجویٹ کالج سنبھل کے صدر شعبۂ اردو ہونے کے ساتھ ساتھ کالج کے چیف پراکٹر بھی ہیں۔ درس و تدریس کے منصبی فرائض کے ساتھ ساتھ موصوف نے علم وادب کی خدمت کے لئے خود کو وقف کر رکھا ہے۔ مرحوم سعادت علی صدیقی کے انتقال کے بعد سنبھل کی ادبی سرگرمیوں میں ایک طرح کا جو جمود طاری ہو گیا تھا اس کمی کو کسی حد تک انھوں نے پورا کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس سلسلے میں وہ مختلف لیکچر، سیمینار، سمپوزیم اور ادبی مباحثے منعقد کرتے رہتے ہیں۔

ڈاکٹر عابد حیدری کی تصنیف ’علی جواد زیدی شخص اور شاعر‘ ان کی غیر جانبدارانہ تنقید کی بہترین مثال ہے باوجود اس کے کہ زیدی صاحب سے موصوف کے بڑے قریبی تعلقات تھے لیکن انھوں نے اپنے نظریے کی وضاحت کرتے ہوئے بڑا متوازن انداز اختیار کیا ہے۔

ڈاکٹر عابد حیدری کو اسلاف کے کلام کی اشاعت کی فکر دامن گیر رہتی ہے اور اس کے لئے ہمیشہ کوشاں رہتے ہیں کہ بزرگوں کا وہ کلام جو غیر مطبوعہ شکل میں موجود ہے اسے ضروری مقدمہ کے ساتھ محفوظ کر دیا جائے ان کی اس نیک نیتی کا ثبوت زیرِ مطالعہ تالیف ’شاگردِ دبیر: زکی بلگرامی‘ ہے۔

زکی بلگرامی ایک ایسے دور کا مرثیہ نگار ہے جب انیس و دبیر، مونس اور عشق و تعشق کا طوطی بول رہا تھا۔ امیر مینائی نے ’انتخابِ یادگار‘ میں انھیں ’سلام و مرثیہ کہنے میں طاق‘ لکھا ہے۔ انھوں نے لکھنؤ، عظیم آباد اور رام پور میں بڑی دھوم دھام سے مجلسیں پڑھیں۔ رام پور میں زکی کی بڑی قدر دانی ہوئی اور نواب محمد حیدر خاں حیدر خلف نواب یوسف علی خاں ناظم والی رامپور ان کے شاگرد ہوئے لیکن ان سب کے باوجود ان کی چند غزلیں ’انتخابِ یادگار‘ مرتبہ امیر مینائی اور ’انتخابِ سخن‘ مرتبہ مولانا حسرت موہانی میں شائع ہوئی ہیں۔ اس کے علاوہ غزلیں، قصائد اور مراثی غیر مطبوعہ رہ گئے جو اب نایاب ہیں۔

ڈاکٹر عابد حیدری نے نہ صرف یہ کہ اس عظیم مرثیہ گو شاعر کے حالات جمع کئے بلکہ ان کے فن پر بھی سیر حاصل گفتگو کی نیز ان کے دو نایاب مرثیوں کو بھی اس کتاب میں شامل کر دیا ہے تاکہ یہ مرثیے دستبردِ زمانہ سے محفوظ رہ جائیں۔ مجھے امید ہے کہ ان کی یہ پر خلوص کوشش اردو کے رثائی ادب کے قارئین کی توجہ کا مرکز بننے کے ساتھ ساتھ اردو ادب کی تاریخ میں اضافہ کا سبب بنے گی۔

۵؍جنوری ۲۰۱۵ء

ڈاکٹر حسن مثنیٰ
اسسٹنٹ پروفیسر شعبۂ اردو
رانچی کالج رانچی (جھارکھنڈ)

پیش گفتار

ڈاکٹر عابد حسین حیدری صدر شعبۂ اردو ایم جی ایم پوسٹ گریجویٹ کالج سنبھل کا شمار ان قلم کاروں میں ہوتا ہے جو سنجیدگی سے 'نہ ستائش کی تمنا نہ صلے کی پروا' کے تحت خاموشی سے ادب کی خدمت کررہے ہیں۔ ڈاکٹر حیدری ادب کے ان ناقدین میں سے ایک ہیں جو اپنی ذاتی شہرت و مقبولیت کے بجائے 'نامِ نیک رفتگاں ضائع مکن' پر عامل ہوکر ان اہم ادبا و شعرا کی شناخت کرانے میں سرگرمی کا مظاہرہ کرتے ہیں جو عموماً گمنامی کا شکار ہوتے رہے ہیں۔ ڈاکٹر عابد حیدری کو ان گمنام بزرگوں کی شناخت کے ساتھ ساتھ ان کے کلام کی نگہداشت اور اشاعت کی فکر بھی دامن گیر رہتی ہے۔ 'شاگردِ دبیرؔ: زکیؔ بلگرامی' ان کی اسی فکر مندی کی نشاندہی کرتی ہے۔ شاگرد دبیرؔ: زکیؔ بلگرامی' میں ڈاکٹر عابد حیدری نے مرثیے کے مشہور شاعر دبیرؔ کے شاگرد زکیؔ بلگرامی پر نہ صرف یہ کہ تفصیلی مواد جمع کردیا ہے بلکہ اس کتاب میں ان کے دو نایاب مرثیے بھی شامل کردئے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ اس کتاب کے ساتھ ساتھ یہ مرثیے بھی زکیؔ کی مرثیہ نگاری کی تفہیم میں معاون و مددگار ہونگے۔

اس سے قبل ڈاکٹر عابد حیدری کی کئی تصنیفات ادبی حلقوں میں مقبولیت کی سند حاصل کرچکی ہیں۔ رثائی ادب کے وہ ایک اچھے قاری ہونے کے ساتھ ساتھ ایک اچھے ناقد بھی ہیں جس کی مثال ان کی تصنیف 'اردو میں شخصی مرثیے کی روایت' میں جا بہ جا دکھائی دیتی ہے۔ وہ مرثیوں کا مطالعہ کرتے وقت اس کی فنی باریکیوں پر خصوصی نظر رکھتے ہیں اور ان کا تجزیاتی ذہن خوب سے خوب تر کی تلاش میں رہتا ہے۔

'شاگردِ دبیرؔ: زکیؔ بلگرامی' میں ڈاکٹر حیدری نے خوبصورت اور عام فہم زبان کا

استعمال کیا ہے۔ انھوں نے جہاں زکیؔ کے حالاتِ زندگی جمع کئے وہیں ان کے فن پر بھی پھر پور روشنی ڈالی ہے۔ بطور مثال ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

> ''زکیؔ کا انتقال مرزا بیرؔ کی زندگی ہی میں ہوگیا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب لکھنؤ اہلِ کمال سے چھلک رہا تھا۔ ہر سمت شعر و سخن کی محفلیں آراستہ تھیں۔ بڑے بڑے اساتذۂ سخن موجود تھے اس زمانے میں زکیؔ کا شہرت حاصل کرنا، بزمِ ادب سے مشاقی و پختہ کاری کی سند حاصل کرلینا اور ملک گیر شہرت کا مرثیہ گو بن جانا ان کے کمالِ فن کا ایک بڑا ثبوت ہے۔''

ڈاکٹر عابد حیدری کا خیال ہے کہ زکیؔ کے کلام میں مرزا دبیر کا رنگِ سخن پوری طرح نمایاں ہے ایک جگہ وہ لکھتے ہیں:

> ''زکیؔ کے مراثی کے مطالعہ سے ان کی مرثیہ گوئی، زبان اور فن کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ زکیؔ نے جو زبان استعمال کی ہے وہ ثقہ ہے اور سند کی حیثیت رکھتی ہے۔ بندشیں ست اور صنعتوں کا استعمال سلیقے سے کیا گیا ہے۔ انھوں نے اپنے مرثیوں میں چہرہ، سراپا، آمد، جنگ، رجز، بین ہر جز کو بڑی خوبی سے نبھایا ہے اور ان کے مرثیے فصاحت و بلاغت سے عاری نہیں ہیں۔''

درج بالا عبارت کو پیش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ڈاکٹر حیدری مختصر الفاظ میں زیادہ سے زیادہ باتیں پیش کرنے کا ہنر جانتے ہیں۔ خوبصورت اور عام فہم زبان میں انھوں نے زکیؔ بلگرامی کے فن پر اس انداز سے گفتگو کی ہے کہ قاری زکیؔ کے فن سے بخوبی واقفیت حاصل کرلیتا ہے۔ مختصر یہ کہ ڈاکٹر عابد حیدری نے زکیؔ بلگرامی پر کام کرکے اردو مرثیہ کی تاریخ میں ایک گراں قدر اضافہ کیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ ڈاکٹر حیدری کی یہ کوشش ان کی گزشتہ تصنیفات کی طرح مقبولیت حاصل کرے گی۔

یکم فروری ۲۰۱۵ء

لئیق رضوی
ڈپٹی ایڈیٹر عالمی سہارا
سہارا نیوز نیٹ ورک نوئیڈا

ادب کے عابد کی ضوفشانی

اردو ادب میں رثائی ادب اور ڈاکٹر عابد حیدری کا رشتہ چاند اور چکور کی مثال کا درجہ رکھتا ہے اور اس کی شہادت جناب عابد حیدری کی پچیس برس کی علمی و قلمی ریاضت اور ادبی شغف کی ثمر آوری ہے۔ جس نے ایک درجن کے قریب پھلوں اور اتنے ہی پھولوں کا اثاثہ اردو ادب کو دیا ہے جو اپنی ظاہری صورت اور باطنی سیرت کے اعتبار سے انفراد و امتیاز کا متحمل ہے اور کیوں نہ ہوتا کہ جب موصوف نے زانوئے علم طے کرنے کے مراحل کی ابتدا مدرسہ امامیہ اور سلطان المدارس جیسے دنیا اور دین دونوں کے لحاظ سے فلاح انسانی کے نمائندہ اصلاحی مراکز سے کی تھی اور ان کا یہ تعلیمی سفر مدرسہ کی اعلیٰ اسناد کے پڑاؤ طے کرنے کے بعد جدید تعلیم یعنی دنیاوی تعلیم کے حصول کے لیے لکھنؤ کے مشہور تعلیمی مراکز سے رجوع کیا اور اس طرح شیعہ کالج اور دانش گاہ لکھنؤ کے ڈاکٹریٹ تک کے سنگ میلوں کی مسافت تحمل مزاجی کے حسن اور دور اندیشیانہ فکر کے ساتھ طے کی اور ہمیشہ سچے علم دوست اور ذہین ادب نواز ہونے کا ثبوت دیا اور ان ہی اوصاف نے جناب عابد کو استاذ الاساتذہ کا لائق صد احترام مقام و مرتبہ عطا کیا اور اس اعلیٰ مقام تک پہنچنے کی تاریخی نشانیوں میں اب تک منصۂ شہود پر آنے والی ایک عشرِ کتب کے بعد تازہ ترین نشانی ”شاگرد دبیرؔ زکیؔ بلگرامی“ ہے۔

انیس و دبیر نے صنف مرثیہ کی ایسی آبیاری کی کہ بہت سی نزاکتوں میں اردو ادب کی مرغوب اصناف پر مرثیہ کے حاوی ہونے کی نظیریں مل جاتی ہیں۔ اس سلسلے میں ہم بات کریں بیانیہ کی تو ایک طرف مرثیہ نے شعرائے اردو کی تربیت میں نمایاں خدمات انجام دی ہیں تو دوسری جانب قواعد شاعری اور محاسن شعری کی وافر مثالیں مرثیوں کے متون سے فراہم ہوتی رہی ہیں اور اس میں بڑا حصہ انیسؔ و دبیر اور ان کے حلقہ ہائے تلامذہ کا ہے

۔ انیسؔ ہی کی طرح دبیرؔ کا حلقہ خاصہ وسیع رہا ہے اور بڑے ہونہار اور باکمال شاعر اس سلسلے نے اردو ادب کو دیے ہیں لیکن تاریخ گواہ ہے کہ باوجود بسیار تلاش اور ہزار ہا تذکروں کی طباعت کے کچھ انا پسند اور منکسر المزاج باصلاحیت فنکار گوشۂ گمنامی کا شکار ہوتے رہے ہیں اور دیانتدار محققین انھیں دریافت کرنے کی خدمت انجام دے کر خود کو اور فنکار کو زندۂ جاوید بنا دینے کی راہ ہموار کر لیتے ہیں۔ ڈاکٹر عابد حیدری نے زکیؔ بلگرامی کی دریافت مخصوص دوربین کے توسط سے معیار و وقار شعری کے مطابق کی ہے۔ محاسنِ حلقہ دبیرؔ کے اتنے رچے ہوئے اوصاف دیگر تلامذۂ دبیرؔ میں کم ہی نظر آتے ہیں جتنے زکیؔ بلگرامی نے اپنے کلام میں نہایت محتاط انداز میں بڑے سلیقے کے ساتھ ابھارے اور جمع کیے ہیں۔ زکیؔ کی اسی شاعرانہ خوبی نے ڈاکٹر عابد حیدری جیسے رثائی ادب کے ممتاز ناقد اور محقق کو اپنا گرویدہ بنایا۔

اس کتاب ”شاگرد دبیرؔ زکیؔ بلگرامی“ میں ڈاکٹر عابد حیدری نے اپنے انفرادی انداز و اسلوب کی بہاروں کے ایسے گل بوٹے سجائے ہیں جن کی معطر خوشبوئیں عاشقان و دلدارانِ مراثی کے اذہان و قلوب و نفوس کو نئی تازگی اور توانائی کا احساس کراتی ہیں جبکہ ان کی رنگینیاں اپنی صد رنگ کشش کے عوض نادر افکار کے خزینوں کے مناظر پیش کرتی ہیں۔ اس کتاب کے مطالعے سے علامہ شبلی نعمانی کی تصنیف ”موازنہ انیسؔ و دبیرؔ“ کی یاد تازہ ہو جاتی ہے اور ڈاکٹر عابد حیدری کی رقم کردہ عبارتوں کی قرأت سے شاعری کی فکری معراج تک رسائی حاصل ہو جاتی ہے۔ شاعر کے برتے ہوئے الفاظ کے ایسے مفاہیم کی گرہیں بہت آسانی سے کھل جاتی ہیں جن کی معنوی پرتوں کو لغت کی مدد کے بغیر سمجھنا ناممکن سا نظر آتا ہے۔

ڈاکٹر عابد حیدری کی نثر میں جو روانی و سلاست کا وصف پیدا ہوا ہے وہ ان کی صحافت سے وابستگی کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے۔ گٹھے ہوئے جملوں کی تخلیق موصوف کے وسیع مطالعے کی شہادت پیش کرتی ہے اور موقع محل کے اعتبار سے استعمال ہوئے مرکبات زبان پر ان کی دسترس و قدرت کے ضامن نظر آتے ہیں۔ زکیؔ بلگرامی کے مشمولہ مرثیوں کے پڑھنے اور عابد حیدری کے مضمون کی آراء میں شامل مثالوں کا مطالعہ کرنے سے یہ بات

آئینے کے طور پر سامنے آتی ہے کہ زکیؔ کی شاعری شاعرانہ قدرت کی ایسی کسوٹی ہے جس کا مطالعہ اپنے قاری کا قدم قدم پر امتحان لیتا رہتا ہے لیکن عابد حیدری کی عطا کردہ روشنی میں قاری کو اس امتحان سے بہ آسانی فراغت نصیب ہو جاتی ہے۔ یعنی ڈاکٹر عابد حیدری کی نثر اکثر کلام زکیؔ کی کلید معلوم ہوتی ہے۔ جس کی بابت موصوف کا خیال ہے کہ کلام زکیؔ کو سمجھنے اور اس کی فنی اور فکری معراج تک رسائی حاصل کرنے کے لیے اس کلام کا بار بار پڑھنا ہر حال میں لازمی ہے اور ایک اور اہم نکتہ یہ سامنے آتا ہے کہ الفاظ اپنی شباہت اور اپنے لباس کی تبدیلی کا شکار کس کس طرح اور کس کس موقع پر کیوں کر ہوتے ہیں اور اس تبدیلی سے کلام اور معانی میں کیسی تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں؟

مجموعی طور پر ڈاکٹر عابد حیدری کی کتب زمانہ سازی اور نئی نسلوں کی آبیاری کا وصف رکھتی ہیں۔ کیوں کہ ان کے اس سفر کا آغاز ’’زراعت ظرفی‘‘ سے ہوا جو نوخیز طلبہ کی تعلیم کے پیش نظر تحریر کی گئی تھی اور یہ سلسلہ ’’علم سیاست اور علم نفسیات‘‘ وغیرہ کی صورت میں جاری ہے۔ جبکہ مرتبہ کتب ’’ادبیات کشمیر اور ارمغان محسنؔ‘‘ وغیرہ میں جناب عابد حیدری کی سلیقہ شعاری اور نفس موضوع کے تقاضوں سے انصاف کی نکھری ہوئی تصویر ابھرتی ہے اور ان کے تحقیقی مقالے ’’اردو میں شخصی مرثیے کی روایت، علی جواد زیدی شخص اور شاعر، رثائیات شخصیات تجزیات اور دبستان زید پور کی مرثیہ گوئی‘‘ کے بعد ’’شاگرد دبیرؔ زکیؔ بلگرامی‘‘ میں عابد حیدری کی میانہ روی اور متوازن انداز بیان اور غیر جانبدارانہ رویوں کے نقوش اس شان سے ابھرتے ہیں کہ معاصرین کا رشک سے بچ پانا محال معلوم ہوتا ہے۔ ڈاکٹر عابد حیدری کی مجنونانہ ادبی عبادت ان کے درجات کو لگاتار بلند کر رہی ہے اور اس رفتار میں دن بدن تیزی کے امکان بہت واضح ہیں۔

اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔۔۔۔۔۔۔۔ آمین

۵؍فروری ۲۰۱۵ء ڈاکٹر راشد عزیز
شعبہ اردو، سینٹرل یونیورسٹی آف کشمیر

شاگرد دبیر: زکی بلگرامی

ادب و شاعری کی تاریخ میں آپ کو بہت کم ایسے شعرا نظر آئیں گے جو اپنے اساتذہ کی حیات ہی میں استادی کے مرتبہ پر فائز ہو گئے ہوں۔ زکی بلگرامی ایسے خوش قسمت افراد میں بہت نمایاں ہیں جنھوں نے مرزا دبیر ہی کی زندگی میں اپنی استادی کے جھنڈے گاڑ دئے تھے اور اپنی فطری ذہانت اور کثرت مشق کے سہارے مرثیہ گوئی میں کمال پیدا کر لیا تھا، جس کا اعتراف امیر مینائی نے ''انتخاب یادگار'' میں ان الفاظ میں کیا ہے:

> ''زکی، میر محمد زکی۔ سید غلام رضا ان کے والد ماجد کا نام ہے۔ وطن قصبہ بلگرام ہے۔ سراپا ذہن وذکا تھے، اسم بامسمّٰی تھے۔ مرزا دبیر لکھنوی کے شاگردوں میں بڑے مشاق، سلام و مرثیہ کہنے میں طاق۔ لکھنؤ اور عظیم آباد وغیرہ میں بڑی دھوم دھام کی مجلسوں میں پڑھے اور خوب پھولے''۔[1]

زکی اولاً مشیر کے شاگرد تھے لیکن پھر انہیں کے مشورہ سے مرزا صاحب کو کلام دکھانے لگے۔[2] پہلے قصیدہ و غزل وغیرہ اور دیگر اقسام کے شعر کم کہتے تھے مگر جب کہتے تھے تو ہم چشموں میں کسی سے کم نہ رہتے تھے۔[3] قصیدہ کہنے کی خوب مشق تھی۔[4] یہ کوئی معمول بات نہیں ہے کہ اس زمانے میں جبکہ دنیائے مرثیہ گوئی میں انیس، دبیر، مونس اور عشق کا طوطی بول رہا تھا، زکی نے فطری ذہانت، طبیعت کی برّاقی اور کثرت مشق کے سہارے یہ شہرت اور منزلت حاصل کر لی کہ عظیم آباد، حیدرآباد اور رام پور کے مراکز علم و ادب میں مرثیے پڑھنے کے لیے بلائے جانے لگے اور خود لکھنؤ میں بھی ان کے پڑھنے کی مجلسوں میں سیکڑوں آدمی شریک ہوتے تھے۔[5] نجم الغنی رامپوری نے 'اخبار الصنادید' میں نواب یوسف علی خاں کے درباری شعرا میں میر محمد زکی بلگرامی کا ذکر کیا ہے چنانچہ نواب یوسف علی خاں کو جب ۲۰ جولائی ۱۸۶۱ء کو ستارۂ ہند کا خطاب ملکۂ وکٹوریہ نے عطا کیا تھا تو میر محمد زکی بلگرامی نے قطعہ تاریخ موزوں کیا ہے۔ جو ان کی دربار رامپور سے وابستگی کا بیّن ثبوت ہے۔

زہے خطاب نکو نامی وخوشا تمغا
کہ با نشان سعادت بود ستارۂ ہند
چنیں عطیۂ عظمٰی سزد بہ ممدوحم
کنوں گرفت فروغِ ابد ستارۂ ہند
دبیر چرخ بتاریخ چوں قلم برداشت
نوشت آب بخورشید زد ستارۂ ہند
(۱۸۶۱ء)

حضرت زکی کی رامپور میں بڑی قدر ہوئی اور نواب محمد حیدر علی خاں حیدر خلف نواب یوسف علی خاں ناظم والیِ رامپوران کے شاگرد ہوئے جس کی وجہ سے انہوں نے زندگی کے کئی سال بڑی فراغت سے بسر کئے۔[7] اس کے بعد حیدرآباد چلے گئے جہاں اس وقت مختار الملک نواب سالار جنگ بہادر کا طوطی بول رہا تھا۔ چند سال رہنے کے بعد لکھنؤ واپس آئے اور ۱۲/ شعبان ۱۲۸۸ھ مطابق ۲۷/ اکتوبر ۱۸۷۱ء کو انتقال کر گئے۔[8]

زکی کا انتقال مرزا دبیر کی زندگی ہی میں ہو گیا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب لکھنؤ اہل کمال سے چھلک رہا تھا۔ ہر سمت شعر و سخن کی محفلیں آراستہ تھیں، بڑے بڑے اساتذہ سخن موجود تھے، اس زمانے میں زکی کا شہرت حاصل کرنا، بزم ادب سے مشاقی و پختہ کاری کی سند حاصل کر لینا اور ملک گیر شہرت کا مرثیہ گو بن جانا ان کے کمال فن کا ایک بڑا ثبوت ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فن مرثیہ گوئی سے ان کو ایسی مناسبت تھی جس نے ایک مختصر مدت میں ان کو اساتذۂ فن کی صف میں لا کر کھڑا کر دیا تھا۔[9]

زکی کے شاگردوں میں جوش مدراسی، نواب بنے صاحب مشاق، ان کے والد

مشتاق اور بندہ رضا آزاد بلگرامی شریک تھے، بنّے صاحب مشتاق غزل گوئی میں پایۂ استادی رکھتے تھے اور مراثی بھی کہتے تھے۔ [۱۰]

زکی کے کلام میں مرزا دبیر صاحب کا رنگ سخن پورے طور پر نمایاں ہے، شوکت الفاظ، مضمون آفرینی، بندشوں کی چُستی اور بیان کی صفائی ان کے مراثی کا زیور ہیں۔ ان کے مراثی میں غضب کی ڈرامائی کیفیات بھی پائی جاتی ہیں جو حسن بیان اور تاثیر میں زبردست اضافہ کر دیتی ہیں۔ [۱۱]

زکی بلگرامی کو چونکہ لکھنؤ میں رہ کر شاعری کرنا تھی اور یہیں اپنی مرثیہ گوئی کے سکہ کو رائج کرنا تھا۔ اس لیے مذاق عام کو یکسر نظر انداز نہیں کر سکتے تھے، اس لیے انہوں نے لکھنوی رنگ مرثیہ گوئی یعنی اسلوب دبیر کو پوری آب و تاب کے ساتھ اپنے مرثیوں میں جگہ دی اور جن خصوصیات کے لیے دبستان دبیر امتیاز رکھتا تھا وہ بھی زکی کے یہاں نہایت خوبصورت انداز میں نظر آتے ہیں۔ جسکی طرف اپنے ایک مقطع میں اشارہ کیا ہے۔

بس اے زکی کہ وجد میں ہیں اہلِ انجمن
بیشک ہے یہ عنایتِ معبودِ ذوالمنن
لطفِ زباں مذاق بیاں خوبی سخن
فضلِ خدا سے بحر فصاحت ہے موجزن
کیوں کر نہ ہو یہ نذر امام جلیل ہے
جاری ہے فیض چشمۂ کوثر سبیل ہے

لیکن اس سے ہرگز یہ مطلب نہیں کہ وہ صرف تقلید ہی کرتے رہے۔ ان کے مرثیوں کے مطالعہ سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ وہ مجتہدانہ شان کے مالک تھے۔ مثال کے طور پر ساقی نامہ سے متعلق درج ذیل بند ملاحظہ فرمائیں:

ہاں کس طرف ہے ساقی خمخانۂ الست
کوثر کا جام ڈھونڈتی ہے چشم حق پرست

منظور ہے قلمرو مضموں کا بند و بست
وہ پھول دے کہ ہوں صفت عندلیب مست
مجلس میں مثل شیشۂ مے قہقہے کروں
دل جس سے باغ باغ ہو وہ چہچہے کروں

اے پیر میکدہ مجھے زور شباب دے
ذرہ چمک کے مہر ہو وہ آفتاب دے
حسن عمل سے توشۂ راہ ثواب دے
پُرسش نہ جس کی ہو وہ مئے بے حساب دے
مد نظر ہے وصف حر ذی شعور کا
ساغر لگا دے منہ سے شراب طہور کا

ساقی نامہ کے تعلق سے ڈاکٹر ذاکر حسین فاروقی نے لکھا ہے کہ:

> 'ساقی نامہ کے سلسلہ میں یہ مشہور ہے کہ ہر ثیہ کا اس کا آغاز میاں مشیر نے کیا اور مرثیہ میں میر نفیس صاحب اس کے بانی ہیں لیکن زکی کے مراثی میں جو میر نفیس صاحب کے میدان میں آنے سے بہت پہلے کہے گئے تھے ساقی نامہ کا وجود اس بات کا ثبوت ہے کہ مرثیہ میں ساقی نامہ کی ایجاد کا شرف دراصل زکی کو حاصل ہے'۔ [۱۲]

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا سکا ہے کہ زکی پہلے مشیر کے شاگرد تھے، ممکن ہے کہ ہرثیوں میں مشیر کے ساقی نامہ کو دیکھ کر ان کو یہ خیال پیدا ہوا ہو کہ مرثیہ میں بھی اس کا تجربہ کیا جائے۔ مشیر کے ساقی ناموں کی شہرت ناقابل انکار ہے اس لیے اگر زکی بھی اس سے متاثر ہوئے ہوں تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے۔ ڈاکٹر ذاکر حسین فاروقی رقم طراز ہیں:

> 'زکی کی ایجاد پسندی اور طباعی کا یہ ایک اعلیٰ ثبوت ہے کہ انہوں نے مرثیہ میں ایک نیا تجربہ کیا اور یہ تجربہ اتنا کامیاب رہا کہ بعد

میں ساقی نامہ جزو مرثیہ بن گیا۔' ۱۳

تمام تذکرہ نگاروں سے اختلاف کرتے ہوئے حکیم تجمل حسین طاہر بلگرامی نے ''تذکرۃ الکرام در احوال بلگرام'' میں یہ رائے دی ہے کہ زکی بلگرامی دبیر کے شاگرد نہیں تھے جس کے ثبوت کے طور پر وہ یہ تحریر کرتے ہیں کہ ''مرزا صاحب نے اکثر برسر منبر مرحوم پر اعتراضات کیے جن کے جوابات دیئے گئے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر وہ شاگرد ہوتے تو مرزا صاحب ان پر اعتراضات نہ کرتے۔'' درج بالا عبارت سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ زکی دبیر کے شاگرد نہیں تھے اس لیے کسی کا برسر منبر اعتراض کرنا اس بات کا ثبوت نہیں کہ دونوں کے تعلقات خراب ہیں یا رشتہ اور تعلق نہیں۔ اکثر اس طرح کے واقعات ملیں گے کہ اساتذہ نے شاگردوں کو سر عام ٹوکا اور ان پر تنقید کی ہے اور پھر اعتراض کرنا شاگردی یا استادی کے منافی بھی نہیں ہے، زکی کی دبیر کی شاگردی کے سلسلے میں پرتو لکھنوی رقم طراز ہیں:

> ''مرثیہ گوئی میں وہ مشق بہم پہنچائی کہ استاد کی حیات ہی میں استاد سمجھے گئے۔ خواندگی میں بھی نام پیدا کیا۔ مرثیہ خوانی کے لیے دور دور بلائے جاتے تھے۔ اس وقت کے اساتذہ یعنی میر انیس، مرزا دبیر، میر مونس، میر نفیس، میر وحید، میر عشق اور سید صاحب تعشق ایسے باکمال اساتذہ کے ساتھ زکی کا نام لیا جاتا تھا۔ صنف مرثیہ میں قابل قدر اضافہ کیا''۔ ۱۴

پرتو لکھنوی کی درج بالا عبارت سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ زکی دبیر کے شاگرد تھے لیکن اپنی صلاحیت کی وجہ سے اس وقت کے اساتذہ میں شمار کیے جانے لگے۔ 'مرثیہ اور قصیدہ کہنے میں اچھی مشق تھی اور مرثیہ خوانی میں بھی کمال حاصل کیا تھا'۔ ۱۵

جس طرح میر انیس اور مرزا دبیر جیسے اساتذۂ فن دوسرے شہروں میں مجلس پڑھنے جاتے تھے اسی طرح زکی بھی دوسرے شہروں میں بلائے جاتے۔ چنانچہ لکھنؤ، عظیم آباد (پٹنہ) رام پور اور حیدر آباد وغیرہ میں زکی نے بڑی دھوم دھام سے مجلسیں پڑھیں اور کامیابی حاصل کی۔

سید سفارش حسین رضوی لکھتے ہیں:

> ''زکی دبیر کے شاگرد تھے، مگر اپنی انفرادیت کو برابر قائم رکھا، اس کا انہیں احساس بھی تھا''۔ ۱۶

ایک مرثیے میں زکی نے اس کا اظہار بھی کیا ہے:

گل بانگ ہے جہاں میں مرے کلک کی حریر
تحریر میں یہ زمزمہ پیدا ہے بے نظیر
مانا نہ میں انیس نہ مونس، نہ ہوں دبیر ۱۷
قدرت خدا کی ہے نہ کریں رشک ہم صغیر
باتیں وہی ہیں اور وہی اردو زبان ہے
لیکن یہ رنگ، اس کی کریمی کی شان ہے

مذکورہ بالا بند کے پڑھنے کے بعد یہ اندازہ ہوتا ہیش کہ زکی کی نگاہ میں انیس، دبیر، مونس سبھی کی عزت تھی اور ہر ایک کی شاعرانہ عظمت کو تسلیم کرتے ہیں لیکن اپنی استادی کے بھی معترف ہیں اور اس کی صرف یہی وجہ ہو سکتی ہے کہ زکی نے اپنی فطری ذہانت اور کثرت مشق کے سہارے یہ شہرت حاصل کی تھی۔

ڈاکٹر ذاکر حسین فاروقی کے مطابق زکی نے مراثی کا ایک بڑا ذخیرہ یادگار چھوڑا تھا لیکن اب یہ ذخیرہ تلف ہو چکا۔ بعض قدیمی گھرانوں کے عزاخانوں میں اب بھی ان کے دو ایک مرثیے بوسیدہ حالت میں مل جاتے ہیں۔ ۱۸ چنانچہ سید شاہد حسین رضوی کے بستے کے چھ مرثیے جناب کرار حسین بلگرامی نے مولانا سید علی اختر زیدی کو مطالعہ کے لئے دیئے اور سید علی اختر زیدی کے توسط سے یہ مرثیے میرے مطالعہ میں آئے جو کرار حسین بلگرامی نے انہیں عنایت کیے تھے۔

۱۔ سر چشمۂ عطا خلف بوتراب ہے۔

(یہ مرثیہ امام حسینؑ کی شان میں ہے۔ اس میں ۸۴ بند ہیں اور مرثیہ پر مرثیہ نمبر ۲ درج ہے)

۲۔ اسد اللہ کے پیاروں کی ہے آمد رن میں۔
(یہ مرثیہ حضرات عون و محمد کی شان میں ہے اس میں ۱۳۱ بند ہیں اس پر مرثیہ نمبر ۶ درج ہے)
۳۔ کس کے غم میں کمر خمیدہ ہے۔
(درحال حضرت علی اصغر۔ اس مرثیہ میں ۱۰۳ بند ہیں اور اس پر مرثیہ نمبر ۸ درج ہے)
۴۔ آمد ہے رن میں ضیغم صفدر شعار کی۔
(درحال حضرت عباس علمبردار۔ اس میں ۱۳۱ بند ہیں اور اس پر مرثیہ نمبر ۱۰ تحریر ہے)
۵۔ آئینہ دار بزم سخن ہے زباں مری۔
(درحال حضرت قاسم ابن حسنؑ۔ ۱۶۲ بند۔ اس پر مرثیہ نمبر ۱۳ درج ہے)
۶۔ ہاں اے ریاض نظم، دکھا لالہ زار نظم۔
(درحال حضرات عون و محمد۔ ۱۶۲ بند۔ اس پر مرثیہ نمبر ۱۵ درج ہے)

جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ زکی نے مراثی کا ایک وافر ذخیرہ چھوڑا تھا۔ گمان غالب ہے کہ یہ مراثی بھی ورثا میں تقسیم ہو گئے اور درج بالا مراثی کی ترتیب اور اس کے اندراج اس بات کا ثبوت ہیں کہ زکی نے ان مراثی کے علاوہ بہت سے مرثیے کہے تھے لیکن وہ تلف ہو گیے یا بستوں میں موجود تو ہیں لیکن دستیاب نہیں ہیں۔ سید علی اختر زیدی سے دستیاب ان مراثی کے مطالعے سے راقم سطور پر یہ منکشف ہوا کہ وہ کس پائے کے مرثیہ گو تھے اور یہی مرثیے اس مضمون کے محرک بنے۔ مطالعہ کے درمیان جہاں میں نے ان مرثیوں کے منتخب بند نقل کیے، وہیں دو مرثیے مکمل نقل کر لیے جسے اس کتاب میں شامل کر دیا گیا ہے تا کہ اس عظیم شاعر کا یہ سرمایہ بھی دستبرد زمانہ سے محفوظ ہو جائے۔

سفارش حسین رضوی نے لکھا ہے کہ ''زکی کی زبان اپنے دور کی آئینہ دار ہے۔ بندش چست اور صنعتیں سلیقہ سے استعمال کی گئی ہیں''۔ چنانچہ ''آئینہ دار بزم سخن ہے زباں مری'' میں ان کی شاعرانہ عظمت کھل کر سامنے آتی ہے۔ وہ کہتے ہیں:

آئینہ دار بزم سخن ہے زباں مری
سلک گہر ہے نظم فصاحت نشاں مری
موج نسیم صبح ہے طبع رواں مری
بلبل اڑا سکے گی بھلا داستاں مری
آتی ہے جان جسم میں قوت مشام میں
خوشبو دلہن کے عطر کی ہے اس کلام میں
کیا دخل میرے سامنے غنچوں کے منہ کھلیں
بندش ہے یا گندھی ہوئی حوروں کی کاکلیں
پھولوں میں باغ خلد کے مصرعے مرے تلیں
آ کر ہزار رنگ سے صدقے ہوں بلبلیں
یہ تازگی یہ رنگ و روش یادگار ہے
کیا گل ہیں کیا فضائے چمن کیا بہار ہے
سرسبز ہے سخن کہ ہوں فردوسی زماں
ہے گلشن بہشت یہ گلزار بے خزاں
کھلتے ہیں آٹھ باغ جو ہوتا ہوں گلفشاں
ہوتے ہیں دنگ زمزمہ پرداز بوستاں
اس ذکر سے زمین سخن عرش اوج ہے
گویا زبان چشمۂ کوثر کی موج ہے

زکی اپنی کامیابی کا راز فضل خداوندی سمجھتے ہیں اور چونکہ وہ اپنی شاعری کو کامیاب شاعری سمجھتے ہیں اس لئے اپنے کو کینہ و حسد کی آگ سے دور رکھنا چاہتے ہیں اور پروردگار عالم کی اس عطا پر شکر ادا کرتے ہیں:

کرتا ہوں دیکھ دیکھ کے یہ لالہ زار شکر
واجب ہے بہر بندۂ طاعت گزار شکر
رحمت پہ اس کی کیوں نہ کروں بار بار شکر
بے مثل ہیں یہ نقطۂ رنگیں ہزار شکر

چیدہ یہ پھول ہیں یہ چمن انتخاب ہیں
بین السطور ہیں کہ گلستاں کے باب ہیں

حسن قبول میں ہے عبث کینہ و حسد
فیاض کا یہ فیض ہے اور غیب کی مدد
یہ جوش طبع ہے کہ سمندر کا جزر و مد
تائید سرمدی مرے دعوے کی ہے سند

شہرہ ہے اس سخن کا زمیں آسمان میں
تاثیر ہے بیاں میں اثر ہے زبان میں

قطرے میں آبروئے گہر جلّ شانہ
کانٹا ہے غیرت گل تر جلّ شانہ
آہن پہ شان سکّۂ زر جلّ شانہ
ادنیٰ فقیر تاج بسر جلّ شانہ

حاسد ہیں کس حساب میں اور کس شمار میں
کیا دخل ہے مشیّت پروردگار میں

پروردگار عالم کی اس عطا و بخشش کے شکریے کے ساتھ زکیؔ لکھنؤ کی قدردانی کو فراموش نہیں کرتے ہیں۔ انہیں اس بات کا اعتراف ہے کہ اسی شہر لکھنؤ سے زباندانی اور استادی کی سند ملتی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ فصل عزا کی بہار جو اس شہر میں ہے وہ کسی اور شہر کے حصہ میں نہیں ہے:

اس شہر میں اگرچہ ہیں کثرت سے قدرداں
بنتی ہے یاں زمین سخن رشک آسماں
لیکن جو آج شوق ہے بار دگر کہاں
کیا قہر ہے مشقت ذاکر ہو رائیگاں

ہر مرتبہ یہ نظم حلاوت اثر سنیں
پیدا ہو لطف حسن بیاں جس قدر سنیں

یہ مجلسیں یہ مرثیہ خوانی ہے یادگار
فصل چمن تمام ہے مہمان ہے بہار
بعد اس کے پھر کہاں یہ گلستاں یہ لالہ زار
یہ رنگ یہ سماں یہ نوا سنجیِ ہزار

دیکھیں گے وہ رہیں گے جو اس انقلاب میں
یہ صحبتیں نہ پھر، نظر آئیں گی خواب میں

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی نے جہاں ہمارے ادب کی دوسری اصناف کو متاثر کیا وہیں مرثیہ گو شعرا بھی اس انقلاب سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ انیسؔ نے اپنی رباعیوں اور مرثیوں میں اس کا ذکر کیا ہے۔ درج بالا بند میں زکیؔ نے بھی اس کی طرف اشارہ کیا نیز اس انقلاب کا ہمارے سماج پر کیا اثر ہوا ذیل کے بند میں ملاحظہ فرمائیں:

ہے بہر نام علم کا چرچا کہیں نہیں
کیا مال ہے کمال کوئی پوچھتا نہیں
ملتے ہیں غم سے دست تأسف مآل بیں
کیا ہو گا آہ اے فلک پیر بعد ازیں

دیں گے شکست نظم کو بھی نثر جان کے
پوچھے گا ایک ایک سے معنی زبان کے

شوکت الفاظ، مضمون آفرینی، بندشوں کی چستی اور بیان کی صفائی زکؔی کے مراثی کا زیور ہیں۔ اخلاقی مضامین پر وہ بہت زور دیتے ہیں۔ درج بالا مثالوں سے واضح کیا گیا ہے کہ زکؔی اپنی کامیابی کا راز تائیدایزدی میں مضمر سمجھتے ہیں ساتھ ہی علم وفن کے زوال سے بھی رنجیدہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ زکؔی کے مراثی میں پندونصیحت اور عبرت وموعظت کا کافی سرمایہ ملتا ہے۔ ذیل کے بندوں میں دنیا کی ناپائیداری اور علائق دنیوی سے ترک تعلق کی تلقین بڑے حسین اور پراثر انداز میں کرتے ہیں:

چشمہ یہ زندگی کا نہیں ہے سراب ہے
جس کا خمار زہر ہے یہ وہ شراب ہے
منزل مسافروں کی یہ دارخراب ہے
رہرو ہے خلق نقش قدم پاتراب ہے
ہردم عذاب جاں پئے ابن سبیل ہے
ہستی بے ثبات عدم کی دلیل ہے

اس بوستاں کے پھول ہیں کانٹے خزاں بہار
سبزہ لحد کی خاک کا داغوں کا لالہ زار
آسیب ہے بلا ہے ہر اک نخل سایہ دار
سنتا ہے کون ان کی کہیں بلبلیں ہزار
شعلے گلوں سے اٹھتے ہیں نار جحیم کے
بدتر ہیں آہ سرد سے جھونکے نسیم کے

حقا کہ ہے گذاشتنی یہ گذشتنی
نادان ہیں جو راہ میں چھاتے ہیں چھاؤنی
ثروت پہ اسکی مرتے ہیں شامت زدہ دنی
تلوار کی ہے چھاؤں یہ دودن کی چاندنی

نے صبح کا نہ شام کا کچھ اعتبار ہے
گردش نظر کی گردش لیل ونہار ہے

سوچے مآل دام میں اس کے بشر نہ آئے
یہ باغ سبز دیکھ کے جنت نہ بھول جائے
کس قہر کی یہ بھول بھلّیاں ہے ہائے ہائے
بندوں کو اپنے چاہ سے اس کی خدا بچائے
زندان تنگ مجلس ظلمت نشاں ہے یہ
عقرب بھرے ہیں جس میں وہ اندھا کنواں ہے یہ

زکؔی دنیا کے اندھے کنویں سے بچنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ دنیا کی محبت سے بچ کر دین کی پرنور وادیوں کا سفر ہی دراصل انسانی سفر کا نصب العین ہے:

جوواجب الطلب ہے وہ دولت ہے دین کی
زینت ہے اس سے عرش کی رونق زمین کی
دیکھے نکل کے شک سے تجلّی یقین کی
عارف کو احتیاج نہیں دوربین کی
سالک سفر میں سست نہ عامل حضر میں ہیں
جلوے خدا کے نور کے ہر دم نظر میں ہیں

ارشاد عقل ہے کہ یہ سودا ہے سر کے ساتھ
یہ روشنی ہے مثل بصارت نظر کے ساتھ
چلتی نہیں فلک کی حقیقت نگر کے ساتھ
توفیق کا چراغ ہے داغ جگر کے ساتھ
اندھا ہے گر تمیز نہ ہو، گل میں خار میں
بس فرق ایک حرف کا ہے نور ونار میں

زکی کے مطابق دین کی پرنور وادیوں کا سفر انسانیت کا سرمایۂ حقیقی ہے، اس انسان کا کردار ایسا ہو جو خاصان خدا اور مومنین کامل کا کردار ہوتا ہے۔ زکی کے مومن کامل اور خاصان الٰہی کا کردار ملاحظہ ہو جسے اردو شاعری کی اخلاقیات کی بہترین مثال کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے:

رہتی ہے چشم مردم دیندار سوئے حق
ذی فہم کی زبان پہ ہے گفتگوئے حق
باغ و بہار خلد ہے کیا آبروئے حق
ہے آبروئے آب بقا جستجوئے حق
عاقل ہے دل سے محو رضائے الٰہ میں
کھٹکا نہیں ہے خضر کو ظلمت کی راہ میں

خاصان کبریا کا ہمیشہ ہے ایک حال
راحت کی کچھ خوشی ہے نہ تکلیف کا ملال
مومن کا دل ہے مخزن اسرار ذوالجلال
اللہ دے خلوص ارادت زہے کمال
کیا دخل مخمصے میں پڑیں راہ بھول کے
پیرو امام کے، کلمہ گو رسولؐ کے

حق جس طرف ہے طالب دیدار اس طرف
حاصل رجوع قلب سے ہے عزت و شرف
غازی وہ ہے جو ہے رہِ مولا میں سر بکف
آتی ہے صاف غیب سے آواز لاتخف
ہمت سے سہل مرحلۂ خوب وزشت ہے
ثابت قدم کے پاؤں کے نیچے بہشت ہے

زکی کے مراثی کے مطالعہ سے ان کی مرثیہ گوئی، زبان اور فن کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ زکی نے جو زبان استعمال کی ہے وہ ثقہ ہے اور سند کی حیثیت رکھتی ہے۔ بندشیں چست اور صنعتوں کا استعمال سلیقے سے کیا گیا ہے۔ انہوں نے اپنے مرثیوں میں چہرہ، سراپا، آمد، جنگ، رجز، بین ہر جز و کو بڑی خوبی سے نبھایا ہے اور ان کے مرثیے فصاحت بلاغت سے عاری نہیں ہیں:

مشتاق فیض سبط نبی نے لیا نہ دم
پڑھنے لگا قصیدۂ مدح شہِ امم
کی عرض اے محیط عطا قلزم کرم
یہ ہاتھ وہ ہیں جن سے کھلے عقدۂ اہم
ہر شخص فیض یاب پیمبر کے گھر سے ہے
بخشش کا سلسلہ اسی زنجیر در سے ہے

درج بالا بند میں 'سلسلہ' اور 'زنجیر' کا التزام قابل دید ہے۔ ایک بند حضرت امام حسینؑ کی سخاوت کے بارے میں ہے۔ اس میں 'نور' اور 'نار' کا التزام ملاحظہ فرمائیں:

حضرت سے بڑھ کے کوئی ہے امت کا خیر خواہ
ہے جوش مرحمت صفت رحمت الٰہ
ہوتے اگر نہ آپ تو ممکن نہ تھی نباہ
رہتا ہر اک مخلد دوزخ خدا گواہ
محفوظ ہیں محبِ غضب کردگار سے
الفت نے نور حق کی بچایا ہے نار سے

اسی طرح زکی نے جب اپنا شاہکار مرثیہ ع
آئینہ دار بزم سخن ہے زباں مری
کہا تو انہوں نے تعلّی کرتے ہوئے اپنے مرثیوں کو خوبیوں سے مملو قرار دیا ہے۔ ایک بند

میں خوبیوں کے اظہار کے ساتھ ساتھ صنعت کا بہترین استعمال بھی کیا ہے:

ہاں صاحبانِ فہم سنیں اب یہ مرثیہ
ہو شور واہ واہ پڑھوں جب یہ مرثیہ
ہے رونمائے شاہد مطلب یہ مرثیہ
دفتر ہے خوبیوں کا غرض سب یہ مرثیہ
طلعت میں حرف حرف مہہ باکمال ہے
دیکھو یہ وصف قاسم یوسف جمال ہے

زکی مرثیے کی خصوصیات بیان کرنے کے بعد صبح عاشور کو منظر نامے کو جس طرح پیش کرتے ہیں وہ فصاحت و بلاغت کی بہترین مثال ہے۔ ساتھ ہی ساتھ اس منظر نامے میں مناظر قدرت اور مناظر فطرت کا خوبصورت بیان بھی ہے:

دل ہو گئے نسیم کے جھونکوں سے باغ باغ
تھی یہ ہوائے سرد کہ ٹھنڈے ہوئے چراغ
شبنم سے گل بنے مئے گل رنگ کے ایاغ
پہنچا فلک پہ نرگس مخمور کا دماغ
آئی صدا ہر اک چمن روزگار رہے
غنچے چٹک چٹک کے پکارے بہار رہے
وردی وہ صبح کی وہ ہوا بندی دُہل
وہ شور الصلوٰۃ کا اور وہ اذاں کا غُل
سبزہ وہ لہلہا وہ شگفتہ ہر ایک گُل
لالے کے چار داغ تھے تفسیر چار قُل
طائر تھے زمزموں پہ برابر تُلے ہوئے
تھے پھول کھل رہے کہ صحیفے کھُلے ہوئے

وہ دفتر چمن ورق گل وہ زرنگار
جدول وہ آب نہر کی وہ لوح سبزہ زار
پرتو شفق کا لطف دکھاتا تھا بار بار
دریا بنا تھا آئینۂ شاہد بہار
بلبل تھے محو دیکھ کے رنگت حباب کی
موجیں بنی تھیں عکس سے چھڑیاں گلاب کی
تھا گلشن بہشت کہ صحرائے نینوا
چرچے تھے غازیوں میں غنیمت ہے یہ ہوا
جز یادِ حق زباں پہ نہ ہو ذکر ماسوا
یہ کوچ کی ہے صبح توقف نہیں روا
آمد شدِ نفس ہے کہ جھونکا نسیم کا
کمریں کسو جو شوق ہے باغ نعیم کا

زکی مرزا دبیر کے پروردہ تھے، اس لیے انہوں نے اپنے مراثی میں اجزائے ترکیبی کو بڑے سلیقے سے پیش کیا ہے۔ سراپا کے درج ذیل بند دیکھیں:

صلِّ علیٰ وہ طلعت زیبا وہ شان حسن
صدقے ہوئے نثار ہوئے قدردان حسن
قامت کے راستے نے دکھائے نشان حسن
پرتو سے سطح خاک بنا آسمان حسن
ذروں میں جان پڑ گئی چہرے کے نور سے
حوریں بلائیں لینے لگیں رخ کی دور سے
چمکا رُخِ صبیح کا آئینہ جمال
لکھی قلم نے زلف کی تفسیر خط و خال

آنکھوں کے سامنے نظری ہو گئے غزال
پلکیں زبان بن گئیں ہنگام قیل و قال
رتبہ گھٹا جبیں سے مہِ باکمال کا
جتّی بھوؤں نے رنگ مٹایا ہلال کا

جناب قاسم اہل حرم سے رخصت ہو کر میدان میں آتے ہیں۔ آمد کا منظر بھی قابل دید ہے:

یہ ذکر تھا کہ آئی سواری دلیر کی
گھوڑے چراغ پا ہوئے بو پا کے شیر کی
تائید حق نے مملکت کفر زیر کی
غل پڑ گیا نہ موت نے آنے میں دیر کی
اڑتے ہیں ہوش دیکھ کے تیور صغیر کے
نکلا ہے گاہوارے سے اژدر کو چیر کے

زکی نے اپنے مراثی میں واقعات کو مربوط رکھنے کے ساتھ ساتھ اس میں ہندوستانی رسومات، عام بول چال اور روزمرہ کا خاص خیال رکھا ہے۔ زن وشو میں محبت کی کیفیت بیان کرتے وقت زکی نے نفسیات پر بھرپور توجہ صرف کی ہے۔ جناب قاسم امام سے اجازت کے بعد دلہن سے رخصت کے لیے خیمہ میں تشریف لاتے ہیں یہاں پر دولہا دلہن کی نفسیاتی کیفیت کے ساتھ ساتھ مکالمہ بھی لائق توجہ ہے، ساتھ ہی مکالمہ میں بین کا تاثر بھی قابل دید ہے:

آیا حرم سرا میں وہ نوبادۂ حرم
آنکھوں میں اشک دل میں ہجوم غم و الم
جا کر دلہن کے پاس کہا یہ بچشم نم
صاحب بس اب خدا کو تمہیں سونپتے ہیں ہم

مدنظر ہے ملک عدم کا سفر ہمیں
گھونگھٹ اٹھاؤ دیکھ لو اب اک نظر ہمیں
رخصت کا دن ہے عقد کی شب ہو گئی بسر
فرقت کی ہے یہ صبح جدائی کی ہے سحر
قسمت میں تھا کہ بستے ہی برباد ہو یہ گھر
دولہا کا سر قلم ہو دلہن ہو برہنہ سر
ہو تفرقہ بنا نہ بنی کے قریب ہو
چوتھی کی باری آئے نہ چالا نصیب ہو
صاحب اجل کے ہاتھ سے مہلت نہیں ہمیں
کہنا جو کچھ ہو کہہ لو کہ فرصت نہیں ہمیں
آرام ایک دم کسی صورت نہیں ہمیں
تم یہ نہ جاننا کہ محبت نہیں ہمیں
کس کو دکھائیں حال دل بیقرار کا
مجبور ہیں کہ وقت ہے یہ انتشار کا
دم بھر کے میہمان ہیں ہم رو رہی ہو کیا
دیکھو اٹھا کے آنکھ ادھر شرم تا کجا
دل پر کرو وہ جبر کہ چرچا ہو جا بجا
دولہا کو ایک رات کی بیاہی نے دی رضا
خلقت ہے صبر و شکر سے اس دل ملول کی
کیا مستقل مزاج ہے پوتی بتول کی

اس گفتگو کے بعد ایک نئی نویلی دلہن کے کیا تاثرات زکی کی زبانی ملاحظہ فرمائیں:

بولی وہ محو غم نہ زیادہ رلایئے
یہ ذکر بار بار زباں پر نہ لایئے
صاحب کی جو خوشی نہ غم و رنج کھایئے
مانگ اجڑے یا کہ راج لٹے خیر جایئے
صندل کے بدلے خاک کا چھاپا قبول ہے
اچھا سدھارو ہم کو رنڈاپا قبول ہے

جاتے تو ہو مگر مجھے بیوہ بناتے جاؤ
کیا گزرے گی نباہ کی صورت کوئی بتاؤ
صاحب تم اپنے ہاتھ سے نتھ چوڑیاں بڑھاؤ
کہہ دو پھوپھی سے یہ اسے رنڈسالہ اب پہناؤ
جن سے سہاگ تھا وہ چلے منہ کو موڑ کے
گہنا اتاریں پھینک دیں سہرے کو توڑ کے

جیسا کہ گذشتہ سطور میں عرض کیا جا چکا ہے کہ میر محمد زکیؔ بلگرامی کے کلام میں دبستان دبیرؔ کی ساری خوبیاں بڑی رعنائی و شگفتگی کے ساتھ دکھائی دیتی ہیں۔ تلوار کی تعریف میں درج ذیل بند ملاحظہ ہوں جس میں تربیت سلامت علی دبیرؔ کی جھلکیاں صاف نمایاں ہیں:

اک غل ہوا وہ تیغ دو پیکر علم ہوئی
پیدا شعاع مشعل راہ عدم ہوئی
خارا شگاف درپئے فوج ستم ہوئی
گل ہو گئے چراغ ہوا تیز دم ہوئی
اہل نفاق موت کے پنجہ میں آ گئے
اجزائے تن اجل کے شکنجہ میں آ گئے

یاں آستیں الٹ کے بڑھا ابن شیر حق
واں خود بخود صفوں کے الٹنے لگے ورق
قسمت نے زندگی کو دیا موت کا سبق
برسا جو خون پھیل گئی ہر طرف شفق
سرکش تمام نقش قدم بن کے رہ گئے
زہر فنا سے قلب و جگر چھن کے رہ گئے

خورشید و ماہ طائر پر بند ہو گئے
سیارے مثل قطب نظر بند ہو گئے
شرک و نفاق و کفر کے در بند ہو گئے
کھائی جو منہ کی بانی شر بند ہو گئے
کھلنے کی تیغ شعلہ فشاں نے رضا نہ دی
دل صورت سپند جلے اور صدا نہ دی

گھوڑے کی تعریف میں چند بند ملاحظہ فرمائیں، شوکت الفاظ اور جوش بیان کے ساتھ ساتھ روزمرہ محاوارات کا برمحل استعمال بھی قابل دید ہے:

گلگوں برنگ نکہت گلشن رواں ہوا
باد سحر چلی کہ وہ توسن رواں ہوا
ہدہد اٹھا کے ناز سے گردن رواں ہوا
گویا براق عرش نشیمن رواں ہوا
دامان زیں سے تیز پری کے اثر کھلے
ایسی ہوا بندھی کہ نہ پریوں کے پر کھلے

گلگشت سے سمند کے رستے مہک گئے
انسان آئے وجد میں قدسی پھڑک گئے

فر فر چلی نسیم تو غنچے چٹک گئے
ہیکل کی تختیوں کے ستارے چمک گئے

لایا بہار رنگ حنا ہاتھ پاؤں میں
نکلا غزال سیر کو تاروں کی چھاؤں میں

زکیؔ کو رزم نظم کرنے کا بڑا سلیقہ تھا۔ ایک مرثیہ میں جناب قاسم اور ارزق شامی اور اس کے بیٹوں کی جنگ نظم کی ہے۔ جنگ نظم کرنے میں زکیؔ نے جن الفاظ کا استعمال کیا ہے اس سے دہشت اور دبدبہ کی فضا پیدا ہو جاتی ہے۔ ارزق شامی کے پہلے بیٹے کے وار کی کاٹ کے بعد زکیؔ نے جناب قاسم کے وار کی جو فضا بندی کی ہے وہ اس بات کا ثبوت ہے کہ زکیؔ کو رزم کرنے میں مہارت تھی:

اٹھا حسن کے لال کا یاں ہاتھ ایک بار
واں دست مدعی کو اجل نے دیا فشار
منہ کر گئی حریف کی شمشیر آبدار
سین حسام کے ہوے دندانے آشکار
بولی قضا ہر اس کی تمہید چاہئے
خفت کے واسطے یہی تشدید چاہئے

آنکھیں کھلیں شریر کی جب رد ہوئی وہ زد
سمجھا کہ یاں پہ ہے جگر ضیغم صمد
نوشہ نے وار دشمن دیں پر کیا سند
چمکا کے تیغ تیز کہا یا علیؑ مدد
ناری جلا وہ صاعقۂ جاں ستاں گرا
سر جا کے سو قدم پہ گرا تن یہاں گرا

اس لاش کو دکھا کے پکارا وہ شیر نر
لو یہ جہنمی تو ہوا راہی سقر

جاتا ہے کون ساتھ کسے موت پر کمر
دوزخ کی راہ میں ہے ابھی یہ زبوں سیر
غربت میں بیکسی کے یہ صدمے اٹھائے یہ
جلد آئے دوسرا کہ اکیلا نہ جائے یہ

یہ سن کے کافر دوم آیا بسان تیر
چلایا تیر جوڑ کے چلے میں وہ شریر
میں وہ ہوں جس سے سہم کے رستم ہے گوشہ گیر
پڑھا وصغیر یاد جو ہو جوشن صغیر
جس سے اجل کو پیار ہے یہ وہ خدنگ ہے
پلّہ اسی خدنگ کا میدان جنگ ہے

نوشاہ نے بھی دوش سے حمزہؓ کی لی کماں
فرمایا ہاں بہوش یہ ناوک ہے بے اماں
چلّے کو اس کے دیکھ کے حیراں ہے اک جہاں
روکش جو ہے یہ دیو میں قدرت نہ جن میں جاں
زخم جگر کو اس کے ہوا فتح باب ہے
کھلتے ہیں گل وہ غنچۂ پیکاں میں آب ہے

زکیؔ بلگرامی کے ایک مرثیہ کی رزم کا ایک اور منظر نامہ ملاحظہ فرمائیں۔ فوج یزید کا ایک پہلوان امام حسینؑ کے سامنے ہے۔ یہاں پر امام کی جنگ ملاحظہ ہوں:

برہم ہوا یہ سن کے وہ بدکیش بدگماں
ترکش سے تیر دوش سے لی آہنی کماں
جوڑا خطا شعار نے چلہ میں ناگہاں
سرگوشی کر کے چلّہ سے ناوک ہوا رواں

شہ بولے یاں قضا و قدر پر مدار ہے
چلائی ذوالفقار یہ میرا شکار ہے
شہباز اوج فتح نے دکھلائی شہ پری
عنقائے مغربی کے پروں میں ہوا بھری
صیاد تیغ شہ سے چلی کچھ نہ خود سری
پر اک طرف کو کٹ کے گرے اک طرف پری
سوفار لب نہ کھول سکا اس کے سامنے
پرزے اڑائے تیر کے شہ کی حُسام نے
مارا وہ ہاتھ شاہ نے دوڑا کے راہوار
زنجیر سے بندھی تھی کمر گو کہ استوار
اک ضرب ذوالفقار میں دو تھا وہ بدشعار
غل تھا کہ آفریں شہِ مرداں کی یادگار
یثرب سے آ کے روح نبیؐ مدح خواں ہوئی
آواز تہنیت کی نجف سے عیاں ہوئی

زکیؔ کو نفسیات پر بڑا عبور حاصل تھا اور یہی وجہ ہے کہ ان کے مراثی میں بین کا عنصر نمایاں نظر آتا ہے۔ منظر نامہ ملاحظہ فرمائیں۔ جب جناب قاسم کی خبر شہادت خیمہ میں آتی ہے، بیوہ ماں فریاد کرتی ہے لیکن اس فریاد میں نئی دلہن کو نہیں بھولتی۔ یہاں پر زکیؔ نے جہاں ہندوستانی رسومات کو مرثیہ میں پیش کیا ہے اور ان رسومات کو پیش کرتے ہوئے ان کی جزئیات کی پیشکش میں منظر نامہ کی فضا کو ماں کے فطری جذبات سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی ہے:

حجلے سے نامراد کو لوگو اٹھا کے لاؤ
کیا رو رہے ہو ڈیوڑھی پہ کبرا کو جا کے لاؤ

سہرا بڑھاؤ اُجلی سی چادر اڑھا کے لاؤ
بنڑی کو ایک رات کی بیوہ بنا کے لاؤ
کہہ دو کہ یہ جگہ نہیں شرم و حجاب کی
گھونگھٹ کا اب ہے کام نہ حاجت نقاب کی

آگے کے بند جہاں زکیؔ کی نفسیاتی پکڑ کے گواہ ہیں، وہیں واقعہ نگاری کی بہترین مثال بھی ہیں:

سر پیٹتی ہوئی گئیں حجلے میں بی بیاں
آئیں دلہن کو لے کے بصد زاری و فغاں
قسمت کے انقلاب سے مہلت مگر کہاں
گھوڑے سے گر کے خاک پہ قاسم ہوئے تپاں
آئے نظر یہ حال تو کس طرح کل پڑے
خیمہ سے اہل بیت رسالت نکل پڑے
ماں بولی پیٹ کر ارے رستہ کوئی بتائے
کچھ سوجھتا نہیں ہے یہ دکھیا کدھر کو جائے
کبریٰ بھی ساتھ تھی اسی مجمع میں سر جھکائے
کہتے تھے رو کے دیکھنے والے کہ ہائے ہائے
پیٹے گی سر عروس تن پاش پاش پر
دیکھو دلہن یہ جاتی ہے دولہا کی لاش پر

اس منظر نامے میں زکیؔ نے بین کے حوالے سے جس طرح ماں کے جذبات کی عکاسی کی ہے اس میں جہاں فطری پن موجود ہے وہیں عام بول چال کی زبان کا خوبصورت استعمال بھی ہے۔ یہ بند جہاں شاعر کی رثائی فضا سے واقفیت کی دلیل ہے وہیں اس کی قادر الکلامی کا ثبوت بھی:

بیٹا یہ جانتے ہو کہ میں ہو گئی تباہ
لوٹا قضا نے میری کمائی کو آہ آہ
صدقے میں تیری لاش کے اے فدیۂ اللہ
اب تاب صبر کی نہیں اے میرے رشک ماہ
ہر چند چاہتی ہوں کہ ضبط بکا کروں
پر دل تڑپ رہا ہے مرے لال کیا کروں
قاسم غریب ماں پہ گرا آسمان غم
قاسم یہ داغ تھا مری قسمت میں ہے ستم
قاسم میں رو رہی ہوں تڑپ کر بچشم نم
قاسم چھری کلیجے پہ چلتی ہے دم بہ دم
فریاد جاگ کر مری تقدیر سو گئی
بیٹا میں پال پوس کے بے آس ہو گئی
رو رو کے لی حسینؑ سے رخصت نثار ماں
لائے بجا پدر کی وصیّت نثار ماں
دولہا بنے گئے سوئے جنت نثار ماں
پروان چڑھ کے پائی شہادت نثار ماں
ہوتے ہی عقد شوق ہوا قتل گاہ کا
اے لال یہ کفن ہے کہ خلعت ہے بیاہ کا
قربان تیری شان کے اے غیرت چمن
چہرہ لہو سے لال ہے رنگیں ہے پیرہن
دولہا ہے خوش تو زخم بدن بھی ہیں خندہ زن
ماتم کی ہے یہ بزم کہ شادی کی انجمن

دولت لگی ہے نیک مجھ افسردہ حال کی
لوگو برات آئی ہے بیوہ کے لال کی

ماں کے بین کے ساتھ ایک بند میں نئی نویلی دلہن کے بین بھی ملاحظہ فرمائیں اور زکیؔ کی بلاغت کی داد دیں:

ماتم کروں کہ لاش پہ آہ و فغاں کروں
تازی دلہن ہوں سوگ کی کیوں کر بنا کروں
دل میں تو ہے تڑپ کے قیامت بپا کروں
پر شرم سے زبان پہ ہے مہر کیا کروں
دریا رواں ہے اشک کا چشم پر آب سے
صاحب میں بین کر نہیں سکتی حجاب سے

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا سکتا ہے کہ زکیؔ کو نفسیات پر بڑا عبور تھا اور یہی وجہ ہے کہ ان کے مراثی بڑے دلدوز اور مبکی ہوتے ہیں۔ ایک اور منظر ملاحظہ فرمائیں۔ امام رخصت آخر کے لیے خیمہ میں تشریف لاتے ہیں۔ ننھی بچی سکینہ کو معلوم ہوتا ہے کہ بابا مرنے کو جا رہے ہیں۔ پھر بھی معصومیت سے سوال کرتی ہیں: ”بابا کدھر کا قصد ہے؟ چچا عباس اور بھائی علی اکبر میدان سے واپس نہیں آئے، ننھا بھائی علی اصغر بھی تیر سہ شعبہ کا نشانہ بن گیا۔“ امام باپ ہیں۔ بچی سے کس طرح کہیں کہ مرنے جا رہا ہوں اس نازک مرحلے سے بھی زکیؔ بڑی خوش اسلوبی سے گزر گئے ہیں:

حضرت کا اس بیان سے ٹکڑے ہوا جگر
سیدانیاں بھی رونے لگیں منہ کو پھیر کر
بولے لبوں کو چوم کے مولا بہ چشم تر
ان بھولی بھالی باتوں کے قربان ہو پدر
بی بی ہم آج صبح سے ہیں اضطراب میں
غم خوار ہیں جلو میں نہ ہم دم رکاب میں

کیا پوچھتی ہو اکبر و عباس ہیں کہاں
بیکس ہے اب حسین ہوا کارواں رواں
بی بی ہے اک مقام کہ ہے عافیت جہاں
غربت کا دکھ اٹھا کے گئے ہیں یہ سب وہاں
کس سے کہیں جو ہجر کے صدمے اٹھائے ہیں
ہم بھی وہیں کے قصد پہ ملنے کو آئے ہیں
یہ سنتے ہی تڑپ کے پکاری وہ مہ جبیں
کیا جائیں گے حضور ہمیں چھوڑ کے کہیں
رو کر حسین بولے نہیں تم نہ ہو حزیں
ممکن ہے تم کہیں ہو یہ بیکس پدر کہیں
مد نظر یہ ہے کہ ذرا دن ڈھلے چلیں
ہم جا کے دیکھ آئیں وہ منزل تو لے چلیں
کڑھنا نہ ہم کو ڈھونڈ کے بی بی دم زوال
رونا نہ اس طرح کہ ہلے عرش ذوالجلال
پوتی ہو جن کی صبر کا ان کے رہے خیال
اک دن کی یہ کشش ہے نہ ہفتہ نہ ماہ و سال
افسردہ دل نہ ہو جو طبیعت نڈھال ہے
بس شام تک یہ صدمۂ رنج و ملال ہے

درج بالا بندوں میں زکیؔ نے امام کا جو جواب نظم کیا ہے وہ نفسیات پر ان کے بے پناہ عبور کا ایک روشن ثبوت ہے۔ امام عالی مقام بچی سے یہ نہیں کہتے کہ میں مرنے یا سر کٹانے جا رہا ہوں۔ امام موت کی خبر دے رہے ہیں تو ایسے سکون بخش الفاظ میں کہ بچی کی تشویش سکون میں تبدیل ہو جاتی ہے اس لیے کہ امام ایک خاص انداز میں بات کرتے ہیں۔ سارا مطلب بھی ادا کر دیا جاتا ہے اور پھر بھی بات مبہم رہتی ہے اور پھر مرنے کی خبر بھی ایسے انداز میں دے دی گئی ہے کہ بچی کے خوفزدہ یا ہراساں ہونے کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ یہی نہیں بلکہ باتوں باتوں میں زکیؔ نے قید خانۂ شام میں حضرت سکینہ کے انتقال کی بھی خبر دے دی ہے۔ یہ مصرع کہ ''ہم جا کے دیکھ آئیں وہ منزل تو لے چلیں'' اور دوسرے بند میں یہ مصرع ''بس شام تک یہ صدمۂ رنج و ملال ہے''۔ حضرت سکینہ کے انتقال کی خبر دے رہا ہے لیکن اس انداز سے کہ بچی کچھ نہیں سمجھنے پاتی۔ یہاں لفظ 'شام' ذو معنیٰ استعمال ہوا ہے، ایک معنی تو یہ ہیں کہ عاشورہ کی شام تک یہ داستان رنج و محن ختم ہو جائے گی اور دوسرے معنی یہ ہیں کہ بی بی تم کو بس قید خانہ شام تک یہ صدمے جھیلنے ہیں اس کے بعد تم خلد میں ہمارے پاس آ جاؤ گی، اس لیے کہ ''ممکن ہے تم کہیں ہو یہ بے کس پدر کہیں''۔ زکیؔ کی اس بلاغت کو دیکھ کر یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ زکیؔ مرثیہ نگاری میں استادانہ مہارت رکھتے تھے۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ زکیؔ بلگرامی جملہ اصناف سخن میں طبع آزمائی کرتے تھے۔ غزل بھی خوب کہتے تھے۔ 'انتخاب یادگار' میں امیر مینائی نے ان کی غزل کے اشعار بھی پیش کیے ہیں۔ واسوخت کے چند بند کے ساتھ قطعات تاریخ بھی 'انتخاب یادگار' میں موجود ہیں۔ بطور مثال زکیؔ کی ایک تاریخ پر اکتفا کی جا رہی ہے تاکہ یہ اندازہ ہو سکے کہ زکیؔ کو تاریخ گوئی میں بھی مہارت حاصل تھی یہ وہ تاریخ ہے جب رام پور خسرو باغ کے صدر دروازہ کی ۱۲۸۲ھ میں بنا رکھی گئی درج ذیل تاریخ کے تعلق سے نجم الغنی رامپوری نے 'اخبار اصنادید' جلد دوم میں 'تعمیرات کا شوق' کے عنوان سے تحریر کیا ہے کہ 'نواب کلب علی خاں نے بڑے بڑے مشہور کاریگر اور صناع جمع کر کے عمارات جدید تیار کرانا شروع کیں۔ کوٹھی خورشید منزل و دیوان خانہ (جو نواب احمد علی خاں و نواب محمد سعید خاں نے بنوائے تھے) ان کی مرمت کرا کے از سر نو درست کیا۔ خاص بازار بنوایا۔ قلعہ کے دروازے کی عمارت بصرف کثیر نہایت خوشنما تعمیر کرائی'۔ یہ دروازہ 'در دولت' کے نام سے مشہور ہوا۔ زکیؔ بلگرامی نے تاریخ کہی:

ساختہ دروازۂ رفعت نشاں   خسرو نام آور و عرش احتشام

گفت چنیں سال بنایش زکی   ہست در دولت و باب السلام
۱۲۸۲ھ

بہر حال زکی کی شاعری کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ وہ نہ صرف گوناگوں صلاحیت کے مالک تھے بلکہ اپنے عہد کے مسلم الثبوت استاد بھی تھے۔ آئندہ صفحات پر ان کے دو غیر مطبوعہ مرثیے ع

(۱) سرچشمۂ عطا خلف بوتراب ہے
(۲) آئینہ دار بزم سخن ہے زباں مری

پیش کیے جا رہے ہیں تاکہ یہ مراثی بھی دستبرد زمانہ سے محفوظ ہو جائیں۔

☆☆☆☆

غیر مطبوعہ مرثیہ

سرچشمۂ عطا خلف بوتراب ہے

سر چشمۂ عطا خلف بوتراب ہے
دنیا ہے فیض یاب جہاں فیض یاب ہے
وجہ فروغ دیں ہے شرافت مآب ہے
ذرّے پکارتے ہیں کہ یہ آفتاب ہے
پر تو ہے اس ولی کا زمیں آسماں نہیں
اے جلّ شانہ یہ تجلّی کہاں نہیں
قدرت وہ جس پہ قدرتِ خالق کو افتخار
ہمت وہ جس پہ نظم جہاں کا مدار کار
رحمت وہ ناامید تھے جس سے امیدوار
بخشش وہ جس سے ابرِ گہر بار شرمسار
مختار خلد و مالک روز قیام ہے
کیا رتبۂ حسین علیہ السلام ہے
مداح وصف شاہ سے معجز بیاں بنے
اس مدح سے زمین سخن آسماں بنے
مصرعہ ہر ایک اوج میں طوبا نشاں بنے
گلزار نظم غیرتِ باغ جناں بنے
خوبی میں بیت خلد بریں بیت بیت ہو
ہر بیت سے عیاں شرف اہل بیت ہو

اللہ رے فیض دلبر سلطان ھل اتیٰ
بے زر کو زر حقیر کو رتبہ کیا عطا
گوہر کو آب مہر کو ضو ماہ کو جلا
طوبا کو اوج خلد کو تاثیر جاں فزا
سبط نبی سے مقصدِ جن و بشر ملے
گو بال و پر سے یاس تھی فطرس کو پر ملے
دنیا میں کون اہل کرم ہے حسینؑ سا
ہے اس شہ امم پہ کریمی کی انتہا
ہیں بادشاہ دست نگر صورت گدا
اللہ کیا کریم ہے روحی لک الفدا
ہمت میں بے بدل ہے سخاوت میں فرد ہے
یاں ہر سخی کی گرمئ بازار سرد ہے
یوں حال اک عرب کا مناقب میں ہے لکھا
یعنی فلک کے ہاتھ سے جب جاں بلب ہوا
نکلا تلاش رزق میں وہ بندۂ خدا
سرگرم فکر فوت ہوا صورت گدا
قسمت نے رنج دے کے اسیر محن کیا
روزی کی جستجو نے غریب الوطن کیا

پہنچا جو رفتہ رفتہ مدینہ میں وہ بشر
بخت رسا ہوا صفت خضر راہبر
دیکھا ہر ایک دامن مقصد ہے پر گہر
فیض امام دیں سے زمانہ ہے بہرہ ور
جان آ گئی نشاں جو ملا فیض عام کا
شہرہ سنا حسین علیہ السلام کا
لایا رجوع قلب سوئے شاہ خوش نہاد
بس خانۂ خدا میں ملا قبلۂ مراد
دیکھا کہ ہیں عیاں اثر حسن اعتقاد
مشغول ہے نماز میں وہ افضل العباد
ہے رشک قدسیوں کو رکوع و سجود پر
صدقے ہیں عرش فرش قیام و قعود پر
مشتاق فیضِ سبطِ نبی نے لیا نہ دم
پڑھنے لگا قصیدۂ مدح شہِ امم
کی عرض اے محیط عطا قلزم کرم
یہ ہاتھ وہ ہیں جن سے کھلے عقدۂ اہم
ہر شخص فیض یاب پیمبر کے گھر سے ہے
بخشش کا سلسلہ اسی زنجیر در سے ہے

ایسا کوئی سخی ہے نہ ایسا کوئی جواد
صلّ علیٰ زہے کرم و فیض و عدل و داد
ناشاد ہیں حضور کے لطف و کرم سے شاد
واللہ تابہ حشر یہ بخشش رہے گی یاد
مثل پدر جہاں میں پسر نیک نام ہے
زور ان پہ اور آپ پہ ہمّت تمام ہے
حضرت سے بڑھ کے کوئی ہے امت کا خیرخواہ
ہے جوش مرحمت صفت رحمت الٰہ
ہوتے اگر نہ آپ تو ممکن نہ تھی نباہ
رہتا ہر اک مخلدِ دوزخ خدا گواہ
محفوظ ہیں محبّ غضب کردگار سے
الفت نے نور حق کی بچایا ہے خار سے
پڑھ کر نماز شاہ نے قنبر سے یہ کہا
کچھ مال ہے حجاز کا یا صرف ہو چکا
دست ادب کو جوڑ کے بولا وہ باوفا
باقی ہیں چار صرّۂ دینار میں فدا
فرمایا شہ نے لاؤ کہ دل بیقرار ہے
اس کا محق یہ مرد غریب الدیار ہے

دولت سرا میں لے گئے تشریف شاہ دیں
باندھیں ردا میں اشرفیاں ہو کے شرمگیں
آ کر کھڑے ہوئے پس در ششدر و حزیں
قربان چشم پوشی سلطان مومنیں
سر چشمۂ عطا شہ گردوں جناب تھا
نکلا نہ دل کا حوصلہ بس یہ حجاب تھا
باہر شگاف در سے کئے دست زرفشاں
مداح سے ہوئے یہ مخاطب شہِ زماں
کیا اس کا دینا جو کہ ہو محتاج آب و ناں
بھائی قبول کر پئے خلاق دو جہاں
خدمت نہ کی تری پئے داور معاف کر
نادم ہے تجھ سے سبط پیمبر معاف کر
مجبور ہیں کہ ہے نہ حکومت نہ اختیار
حق غصب ہو گیا ہوے محزون و دلفگار
ہوتا جو ظاہراً حشم و جاہ و اقتدار
تھمتا نہ ہاتھ صبح سے تا شام زینہار
ہم وہ نہیں سوال جو سائل کا ٹال دیں
مانگے اگر کوئی تو کلیجہ نکال دیں

نیرنگ روزگار سے تغیّر حال ہے
راحت کے بدلے صدمہ و رنج و ملال ہے
محتاج ہیں فقیر ہیں زر ہے نہ مال ہے
دست تہی سے خیر ہو امرِ محال ہے
ہوتے ہیں آپ دل میں خجل بات بات سے
ناگاہ کیا نگاہ کرے التفات سے
ہوش اڑ گئے سنی جو یہ تقریر ایکبار
بولا عرب کہ بس نہیں اب دل پہ اختیار
قربان اس بیان کے اس عجز کے نثار
اے جلّ شانہ یہ تواضع یہ انکسار
سچ ہے کہ اہل دل ہو تو کس طرح کل پڑے
انعام تو لیا مگر آنسو نکل پڑے
فرمایا شہ نے خیر تو ہے اے نکو شعار
روتا ہے کس لئے صفت ابر زار زار
شاید کہ ناگوار ہوئی نذر خاکسار
دینار کم جو تھے تو ہوا رنج بیشمار
آزردہ دل نہ ہو یہ مروّت سے دور ہے
تکیہ خدا پہ کر کہ توکل ضرور ہے

کی عرض اس نے اے خلف دست کبریا
ہیہات کیا بیاں ہو جو ہے باعث بکا
حاجت روائے خلق ہیں یہ دست پر ضیا
پر خاک میں ملائے گی اک دن انہیں قضا
کیوں کر نہ اس قلق سے غم و اضطراب ہو
اٹھ جائے وہ کہ جن سے جہاں کامیاب ہو
اب گردش فلک کا سنو منصفو گلہ
ایسا سخی ہوا غم و آفت میں مبتلا
مظلوم کو نہ قبر ملی نے کفن ملا
دردا و حسرتا یہ کریمی کا ہے صلہ
جن سے اٹھائے لطف سخاوت جہان نے
ہے ہے وہ ہاتھ قطع کئے بادبان نے
وہ دشت کربلا وہ ہجوم بلا و درد
پپڑائے ہونٹ پیاس سے صدمے سے رنگ زرد
وہ بھیڑ اہلِ شام کی وہ عرصۂ نبرد
بازار گرم موت کا دل زندگی سے سرد
زہرا کا چاند اور تپش آفتاب میں
طبل و علم جلو میں نہ لشکر رکاب میں

جز ذات کبریا کوئی ہمدم نہ غمگسار
پہلو میں نیزے تیر کلیجے کے آرپار
پژ مردہ روح صرف خزاں زیست کی بہار
ہے ہے وہ گل بتول کا اور وہ ستم کے خار
صورت قرار دل کی نہ تدبیر چین کی
ہے یادگار دہر غریبی حسینؑ کی
بیجاں پڑے تھے خاک پہ خویش و رفیق و یار
تنہا کھڑا تھا رن میں امامِ فلک وقار
مولا نگاہ یاس سے تکتے تھے بار بار
سوئے یمیں کبھی تو کبھی جانب یسار
روتے تھے خوں ہر ایک فدائی کی یاد میں
بیٹے کی یاد میں کبھی بھائی کی یاد میں
مضمون یہ وقائع مقتل میں ہے رقم
تنہا رہے جو دشت بلا میں شہِ امم
غمخوار و غمگسار ہوئے راہی عدم
بیکس پہ بیکسی میں گرا آسمانِ غم
ناسور دل میں داغ کلیجے میں پڑ گئے
جس سے کہ زندگی تھی وہ بھائی بچھڑ گئے

ڈھلنا وہ دن کا ظہر کی وہ ساعتِ اخیر
نرغہ وہ اہلِ شام کا وہ شور دار و گیر
کڑکی ہر اک کمان ہوا لیس ہر شریر
پڑنے لگے غریب پہ چاروں طرف سے تیر
زخموں کے منھ سے یاں لبِ سو فار مل گئے
واں حاملانِ عرش کے دل غم سے ہل گئے
دور فلک دکھانے لگا رنگ انقلاب
ڈوبا شفق میں خون کے زہرا کا آفتاب
تھا عاشق خدا جو دل و جان بو تراب
گردن اٹھا کے جانب گردوں کیا خطاب
گلرنگ ہے لہو سے کفن اس فقیر کا
یارب یہ حال ہے ترے عبدِ حقیر کا
تو ناصر و بصیر ہے اے خالق غفور
ہیں دور عقل سے جو سمجھتے ہیں تجھ کو دور
درپے ہیں قتل کے مرے ارباب مکر و زور
رہنا گواہ تو کہ مرا کچھ نہیں قصور
غربت میں بن گئی ہے مسافر کی جان پر
سیّد پہ یہ جفا یہ ستم میہمان پر

یارب ترے حبیبؐ کا لختِ جگر ہوں میں
مخدومۂ بہشت کا نورِ نظر ہوں میں
وہ وقت ہے کہ محو بلا سر بسر ہوں میں
ہوں چور سر سے تا بقدم خوں میں تر ہوں میں
مسدود راہِ امن ہے پانی بھی بند ہے
مصروف ظلم و جور ہر اک خود پسند ہے
سادات تشنہ کام ہیں سیراب کینہ جو
دنیا پرست دین کی کھوتے ہیں آبرو
پوری ہوئی نہ تشنہ دہانوں کی آرزو
کس کس غریب کا نہ بہا نہر پر لہو
بچوں پہ بھی یہ قہر کا صدمہ گذر گیا
پیاسا تڑپ کے اصغر بے شیر مر گیا
غلطاں ہیں خاک وخوں میں مرے غیرت چمن
قاسم سا لالہ فام اور اکبر سا گلبدن
سوتے ہیں ریگ گرم پہ مظلوم و بے کفن
مردوں پہ روح فاطمہؑ زہرا ہے نوحہ زن
الٹی ہوا چلی چمن روزگار میں
کاٹا ہے باغیوں نے یہ گلشن بہار میں

لیکن کچھ اس کا رنج نہیں جو تری رضا
مجھ کو کسی کا دھیان نہیں ہے ترے سوا
مشکل کو سہل جانتے ہیں صاحب وفا
عاشق وہی ہے بس جو ہو معشوق پر فدا
عارف سہی ہیں اہلِ نظر کی نگاہ میں
بندے تھے تیرے قتل ہوئے تیری راہ میں
یہ با وفا تو حسن ارادت دکھا چکے
تلواریں منہ پہ تیر کلیجے پہ کھا چکے
پیاسے ہوئے شہید لہو میں نہا چکے
باقی ہوں میں یہ شیر تو کڑیاں اٹھا چکے
وعدہ بھی ہے قریب اجل بھی قریب ہے
اب وقتِ امتحانِ حسینؑ غریب ہے
حسرت یہ ہے کہ وعدۂ طفلی وفا کروں
قربان تجھ پہ جان کروں سر فدا کروں
اظہار بندگی تہہ تیغ جفا کروں
وقت قضا بھی شکر کا سجدہ ادا کروں
تعمیل فرض عین ہے اس فرضِ عین کی
اللہ تیرے ہاتھ ہے عزت حسینؑ کی

اے کردگار شکریہ کرتا ہوں بار بار
بخشا وہ دل جسے نہیں تکلیف ناگوار
میں اور یہ صبر یہ غم و ایذا یہ جان زار
ہوں مطمئن کہ ہے تری رحمت کفیل کار
ہے فکر کا محل نہ جگہ اضطرار کی
انجام پر نگاہ ہے اس خاکسار کی
ڈگ جاؤں راہ حق سے میں وہ خستہ تن نہیں
مجھ مردہ دل کو خواہش گور و کفن نہیں
پروا ستم کی شکوۂ رنج و محن نہیں
ابرو پہ بل نہیں ہیں جبیں پر شکن نہیں
سب حسرتوں سے وصل کی حسرت کو فوق ہے
ہے آرزوئے ذبح شہادت کا شوق ہے
جس دل میں تیری بادۂ الفت کا جوش ہے
دنیا میں کب وہ منقلب ناو نوش ہے
کھانے کا ہے خیال نہ پینے کا ہوش ہے
غنچہ کی طرح لاکھ زبانِ خموش ہے
راحت ہے رنج و غم سے مصیبت پسند کو
حاجت نہیں دوا کی ترے درد مند کو

ہے دل پہ گو کہ چار طرف سے ہجوم غم
بھرتا ہوں دم مگر تری الفت کا دم بہ دم
بیٹے کا رنج ہے نہ برادر کا ہے الم
لشکر کا شوق نے ہوس نوبت و علم
اندیشۂ قضا ہے نہ مطلب حیات سے
بندے کو مدعا ہے فقط تیری ذات سے
ظاہر ہے ماجرا دل و جانِ خلیل کا
چاہا کہ وقت ذبح مسلسل ہوں دست و پا
بندھنے سے ہاتھ پاؤں کے عقدہ یہ کھل گیا
گویا کہ پیشتر سے تڑپنے کا خوف تھا
ثابت ہر ایک بات سے مضمون یاس تھا
گردن نہ تھی چھری کے تلے پر ہراس تھا
دیکھیں نگاہ غور سے سب سانحہ مرا
ہنگام ذبح ہے پہ تردد نہیں ذرا
زخموں سے جسم چور ہے داغوں سے دل ہرا
ہر گز کسی طرح نہیں جینے کا آسرا
دو روز سے ملا نہیں اک قطرہ آب کا
پر ذکر کیا کہ نام بھی لوں اضطراب کا

ٹھہری تھی نذر حق کی وہاں ایک جان پر
یاں فضل کردگار سے ہدیہ ہیں بیشتر
ہفتاد و یک شہید ہوئے ہیں لہو میں تر
کوئی ہے رشک مہر کوئی غیرت قمر
پیاسوں کی آب تیغ پہ مہمانیاں ہوئیں
اک دوپہر میں آج یہ قربانیاں ہوئیں
تھا دلبر خلیل نہ آفت میں مبتلا
یاں ایک دم کے واسطے کیا کیا نہیں ملا
لاکھوں ہیں تیغیں ایک ہے سوکھا ہوا گلا
یہ ظلم ان پہ کب تھے یہ نرغہ تھا کب بھلا
تنہا تھے وہ فراغ طبیعت کمال تھا
بچوں کا غم نہ اہل حرم کا خیال تھا
مثل سکینہ ان کی نہ بیٹی تھی خورد سال
ان کا پسر نہ تھا کوئی محو غم و ملال
ہیہات اہلبیت کا ان کے نہ تھا یہ حال
یاں آنسوؤں کا تار بندھا ہے کھلے ہیں بال
کنبہ مرا تمام ہے فریاد و آہ میں
ہمشیر در پہ روتی ہے ماں قتل گاہ میں

یاں دل ہے ایک تیر سہ پہلو ہزارہا
مجروح ایک سینہ ہے زانو ہزارہا
کرتے ہیں ایک جان پہ قابو ہزارہا
دشمن ہزارہا ہیں جفا جو ہزارہا
اس رنج سے ذبیح کا دل بھی دونیم ہے
واں رنج تھا فقط یہاں ذبح عظیم ہے
سن سن کے یہ بیان ہنسے بانیِ جفا
بولے زراہِ طنز کہ بس ہو چکی دعا
کیا کر رہے ہو عجز کی باتوں سے فائدہ
تدبیر کوئی اور ہے اب صبر کے سوا
مقدور یہ کہاں ہے کہ قصد وغا کرو
مجبور ہو ستم نہ اٹھاؤ تو کیا کرو
رو کر نہ خم کرو سرِ تسلیم بار بار
ظاہر کرو خدا نے دیا ہے جو اختیار
یہ معرکہ یہ جنگ و جدل بھی ہے یادگار
یا شاہ لو غلاف سے شمشیر آبدار
دیکھا یہ صبر قہر کے جوہر دکھایئے
وقت اخیر جرأت حیدر دکھایئے

اس طعن سے جگر میں در آئی سنانِ غم
آیا جلال کانپ گئے سرورِ اُمم
آئی صدائے غیب کہ اب ضبط ہے ستم
ہاں ذوالفقار حیدر صفدر کرو علم
قائل نہیں یہ قدرت پروردگار کے
غرّے مٹاؤ فوج ضلالت شعار کے
کھینچی یہ سن کے شاہ نے شمشیر برق زا
فضل خدا سے فتح و ظفر کی چلی ہوا
پڑھتے ہوئے زبان سے لا سیف و لا فتا

……

بجلی جوہیں چمک کے چلی سب جھجک گئے
طوفاں اٹھا وہ قہر کے دریا چھلک گئے
تھی نور کی خمیر سے شمشیر بو تراب
برش میں لاجواب صفائی میں انتخاب
جوہر کی وہ چمک وہ دم وخم کی آب و تاب
تاروں میں تھا ہلال تو ذروں میں آفتاب
شکل الف تھی صورت حد نگاہ تھی
تلوار تھی کہ آمد قہر الٰہ تھی

شمشیر مثل مصرع برجستہ فرد تھی
مصرع نہ کہیے مطلع نظم نبرد تھی
گرمی سے اس کی گرمیٔ خورشید سرد تھی
سردی وہ تھی کہ برف کی سرعت بھی گرد تھی
قدسی بھی محو تیغ امامِ حجاز تھے
جوہر نہ تھے کرشمۂ ابروئے ناز تھے

جنبش جو دست شہ کو ہوئی اور ہلی عناں
اک بار ذوالجناح نے بدلی کنوتیاں
دیکھا کبھی زمیں کو گہے سوئے آسماں
سن سن چلی حسام یہ فر فر ہوا رواں
میداں میں صاعقے کی طرح کوندنے لگا
دلدل صفت صفیں کی صفیں روندنے لگا

رشک پری تھا توسن شاہنشہِ حجاز
گیسو وہ مشک بیز تو چتون وہ سحر ساز
گہہ محو جست و خیز تھا گہہ صرف ترک و تاز
دل پیسنے لگا دمِ مشق خرام ناز
ٹھکرا گیا سروں کو تنوں کو کچل گیا
جانیں نکل گئیں یہ جدھر سے نکل گیا

تھی زلف حور خلد کے ہمسر گندھے وہ بال
خورشید زیں رکاب ہر اک صورت ہلال
طاؤس و کبک دیکھ کے محجوب ہوں وہ چال
نقش قدم میں خوبیٔ آئینۂ جمال
ہر بار عکس نعل کا جلوہ دو چند تھا
میدان کارزار صد آئینہ بند تھا

تن رشک و لالہ زار تھا باد خزاں تھی چال
گویا عیاں تھے ایک جگہ ممکن و محال
صرصر بھی جس سے گرد ہو سرعت کا تھا یہ حال
شاعر کو اس کی تیز روی کا ہو گر خیال
طبع رسا نہ حسن رسائی دکھا سکے
پہنچے وہاں وہ وہم بھی جس جا نہ جا سکے

دوڑے دغا شعار لئے حلقۂ کمند
چاہا کہ باندھ لیں فرس شہ کا بند بند
توسن تھا یا پری تھا چھلاوہ تھا یا پرند
ہوتی ہے ہر کہیں کسی صورت ہوا بھی بند
چھل بل دکھا کے صاف لعینوں کو چھل گیا
اک غل ہوا کہ دام سے عنقا نکل گیا

تھے سایۂ سپر میں لعین سیاہ رو
چھایا ہوا تھا ابر سیہ رن میں چار سو
کوندی جو تیغ تیز برسنے لگا لہو
سیل فنا میں بہہ گئے کفار کینہ جو
دریا سراب بن کے زمیں میں نہاں ہوئے
مچھلی کی طرح خاک پہ کشتے طپاں ہوئے
ہوتا تھا دمبدم شرر افشاں سحاب تیغ
دریا اک آگ کا تھا زہے آب و تاب تیغ
وہ ضعف پیر چرخ وہ زور شباب تیغ
کشتی آسماں ہوئی گرداب آب تیغ
دل نے کنارہ تن سے کیا دل سے روح نے
غل تھا کہ سر اٹھایا ہے طوفانِ نوح نے
وہ فوج شام و رے کے دل صورت سحاب
وہ جا بجا پہاڑ لہو کے بجائے آب
وہ جوش آب تیغ وہ جوہر کا پیچ و تاب
تھا شور سنبلہ میں ہے تحویل آفتاب
تیغ علیؑ سے منہ سپروں کا پھرا رہا
رویت ہوئی ہلال کی بادل گھرا رہا

اتری جو سر سے تیغ تو گردن قلم ہوئی
چار آئینہ کٹا زرہِ تن قلم ہوئی
رگ رگ بدن کی صورت جوشن قلم ہوئی
برہم ہوئے پرے صف دشمن قلم ہوئی
چو رنگ تھا جو تیغ دو دم سے دو چار تھا
گنتی سروں کی تھی نہ تنوں کا شمار تھا
غازی ہوئے تھے اسلحۂ جنگ سر بسر
چورنگ تھی زبان سناں ساعد سپر
زلفیں کمند و مشت سرِ گرز و گاؤ سر
انگشت تیر و پشت کماں پہلوئے سپر
نیزے خمیدہ قد تھے کہ بندِ کمر نہ تھا
تیغیں وہ مدّ آہ تھیں جن میں اثر نہ تھا
سکتے میں تھی سپاہ مخالف دم ستیز
نے قدرت قیام تھی نہ طاقت گریز
کیا تیزیاں دکھاتی تھی حیدر کی تیغ تیز
گہہ خونفشاں تھی گہہ شرر افشاں وہ برق ریز
چمکی وہ خود پر کہ سر و تن بہم نہ تھا
بالیں پہ آکے موت نے دیکھا تو دم نہ تھا

لرزے میں تھی زمین جدا آسماں جدا
دور اجل میں پیر جدا تھے جواں جدا
دل سے قرار جسم سے تاب و تواں جدا
طرز سخن زباں سے دہن سے زباں جدا
ہلچل ستم کی تھی تہہ و بالا زمانہ تھا
وہ کون تھا کہ مثلِ سر و تن جدا نہ تھا
کھولی جو ذوالفقار نے نیزے کی ہر گرہ
چلائی فتح ناخن عقدہ کشا ہے یہ
کٹ کٹ گئی کمان کیانی بوقت زہ
کیا ضرب تھی کڑی کی پریشاں ہوئی زرہ
حیران عکس تیز سے چار آئینہ ہوا
غل تھا کہ آئینہ سے دو چار آئینہ ہوا
چار آئینہ میں تیغ جو پرتو فگن ہوئی
اک مرتبہ عیاں روش روح و تن ہوئی
بیساختہ یہ کہہ کے اجل خندہ زن ہوئی
دیکھو پری وہ زیب دہ انجمن ہوئی
اعدا کو ذوالفقار نے حیراں بنا دیا
اک آن میں صلب کو پریشاں بنا دیا

یوں عین کفر میں قدِ اعدا کا تھا نشاں
جس طرح سے الف ہو عداوت کے درمیاں
کلک قضا کی طرح چلی تیغ دو زباں
دو نقطے زخم کے ہوئے وقت کشش عیاں
مشق کہن دکھا کے چلی طرز نو کئے
اللہ رے ضرب ایک کے دس دس کے سو کئے
کیا عدل ہے حسینؑ کا اس عدل کے نثار
وقتِ وغا جراحت تن کا کیا شمار
دیکھی جو اتنی کشتۂ فوج جفا شعار
اللہ رے رحم روک لی حضرت نے ذوالفقار
ظاہر عطا و حلم کے راز نہاں کئے
جرأت دکھا کے صبر کے جوہر عیاں کئے
قربان رحمت جگر ختمِ انبیا
کی تیغ میان میں سرِ تسلیم خم کیا
گھر آئی اتنی دیر میں یاں فوج اشقیا
ماہ نبیؐ کو شام کے بادل نے چھا لیا
تاکید قتل شاہ ہوئی خاص و عام پر
تیروں کا مینہ برسنے لگا تشنہ کام پر

نیزے ستم کے توڑ کے پہلو نکل گئے
نو لاکھ وار سینۂ اقدس پہ چل گئے
ہر زخم تن سے خون کے دریا اُبل گئے
گہہ ڈگمگائے گھوڑے پہ شہ گہہ سنبھل گئے
اعدا نے تر لہو میں کیا میہمان کو
مہلت نہ ایک دم کی ملی ناتوان کو
لکھا ہے راویوں نے یہ مضمون درد وغم
گردن جھکا کے جھوم رہے تھے شہِ امم
ناگہ گلے پہ آکے لگا ناوکِ ستم
صدمے سے رک گیا پسرِ فاطمہؑ کا دم
بیتابی جگر کا قلق ٹالنے لگے
اصغر کی طرح منہ سے لہو ڈالنے لگے
گردن میں ذوالجناح کے ہاتھوں کو ڈال کر
سوئے زمیں جھکا پسر سیدالبشر
پایا جونہی اشارۂ سلطان بحر و بر
مایوس ہو کے بیٹھ گیا اسپ خوش سیر
جنبش کا تھا نہ ضعف سے یارا حسینؑ کو
ارواح انبیا نے اتارا حسینؑ کو

چلّائی روح فاطمہؑ فریاد یا الہٰ
یہ تیر ظلم اور مرے بچے کا حلق آہ
ہیہات کیا خطا تھی مسافر کی کیا گناہ
کس جرم پر کیا یہ ستم وا مصیبتاہ
مظلوم کا غریب کا ہے ہے یہ حال ہے
آواز کیسی سانس کا آنا محال ہے
گرتے ہی ریگ گرم پہ غش کر گئے حسینؑ
فوج ستم میں شور اٹھا مر گئے حسینؑ
پیاسے جہاں سے جانبِ کوثر گئے حسینؑ
داغ ملال لے کے جگر پر گئے حسینؑ
رن میں مرقعِ شہ لولاک مٹ گیا
نام و نشان پنجتن پاک مٹ گیا
زینبؑ بغور دیکھ رہی تھی یہ حال سب
چلائی سر کو پیٹ کے ہے ہے ہوا غضب
واں خاک پر تڑپنے لگے شاہ تشنہ لب
یاں مضطرب ہوئی یہ اسیر غم و تعب
اللہ رے اضطراب نہ خیمے میں کل پڑی
ہے ہے حسینؑ کہہ کے کھلے سر نکل پڑی

مقتل کی سمت ہاتھ اٹھا کر یہ دی صدا
اے جان مصطفےٰؐ تری تنہائی کے فدا
ہے ہے میں کیا کروں کہ نہ قابو میں دل رہا
بھیّا تمہارے دھیان میں نکلی ہوں بے ردا
مضطر ہوں ہوش فرطِ الم سے بجا نہیں
دن ہے کہ رات ہے مجھے کچھ سوجھتا نہیں
مجمع کو سامنے سے ہٹاؤ بہن نثار
خیمے میں ہم کو چل کے بٹھاؤ بہن نثار
ہے کیا گذر رہی یہ بتاؤ بہن نثار
دیدار آخری تو دکھاؤ بہن نثار
کیا کیا نہ حادثے ابھی قسمت دکھائے گی
ہے ہے کسے خبر تھی کہ آفت یہ آئے گی
زہراؑ کی طرح رو رو کے کرتی ہوئی بیاں
پہنچی قریب سبط پیمبرؐ بصد فغاں
دیکھا گلے پہ تیر ستم ہے لبوں پہ جاں
ہے عین غش میں رخ سے عیاں موت کے نشاں
اک رخ لہو میں لال ہے اور اک زمیں پہ ہے
رکتا ہے دم اجل کا پسینہ جبیں پہ ہے

منکا ڈھلا ہے کان کی لو ہے پھری ہوئی
زخم بدن میں ریگ بیاباں بھری ہوئی
تن سرد جی نڈھال طبیعت گری ہوئی
ہے ایک جان لاکھ بلا میں گھری ہوئی
جلاد پہلوؤں میں ہیں بالیں پہ موت ہے
سب صورتوں میں زیست کا مضمون فوت ہے
زینبؑ کو جب یہ قہر کا ساماں پڑا نظر
پھیلا کے ہاتھ بھائی سے لپٹی بچشم تر
چہرے سے گرد پاک کی زانو پہ رکھ کے سر
کھینچا گلے سے تیر کلیجہ سنبھال کر
سچ ہے یہ حال دیکھ کے کس طرح کل پڑے
نکلا نہ تیر آنکھوں سے آنسو نکل پڑے
چلائی آب اشک چھڑک کر وہ دلفگار
بیہوش کیا ہو ہوش میں آؤ بہن نثار
ہمشیر کی صدا نے کیا دل کو بے قرار
آنکھوں کو غش سے کھول دیا شہ نے ایکبار
روداد پر بہن کی برادر نے رو دیا
بھائی کے منہ کو دیکھ کے خواہر نے رو دیا

اک آہِ سرد کھینچ کے بولے شہ ہدا
تم گھر سے جیتے جی مرے نکلیں غضب کیا
اس دم قلق ہے روح کو بیحد و انتہا
جاؤ شتاب سوئے حرم بہر کبریا
زینب ابھی حسینؑ کو یہ ناگوار ہے
جب سر مرا قلم ہو تو پھر اختیار ہے

ناحق ابھی سے اشک بہانا ہے اے بہن
آنا ہمارے بعد جو آنا ہے اے بہن
صدمہ ہر اک طرح کا اٹھانا ہے اے بہن
سر ننگے شام تک تمھیں جانا ہے اے بہن
ہے قید عاصیوں کی رہائی کے واسطے
بندھوانا ہاتھ عقدہ کشائی کے واسطے

یہ ضبط کا مقام ہے رقت نہ چاہیئے
بہنا مسافروں سے محبت نہ چاہیئے
اندوہ و درد وغم کی شکایت نہ چاہیئے
زینبؑ یہ اضطراب یہ حالت نہ چاہیئے
شوق قضا ہے فاطمہؑ کے نور عین کو
ٹھہراؤ دل کو صبر کرو اب حسینؑ کو

اس دم ہوں محو طاعت معبود ذوالجلال
لو الوداع بیجا ہے شبیر کا خیال
ٹل جائے میری مرگ کی ساعت یہ ہے محال
اب آفتاب اوج امامت کا ہے زوال
اکدم کی دم ہے صد رمق تشنہ کام میں
ایسا نہ ہو کہ دیر ہو امت کے کام میں

رونے کا اب مقام ہے اور پیٹنے کی جا
زینبؑ ادھر حسینؑ سے روکر ہوئی جدا
سینے پہ آکے بیٹھا ادھر شمر بے حیا
وہ تیغ اور وہ خشک گلا وا مصیبتاہ
روکر بہن تو بھائی کے پہلو سے ہٹ گئی
اور بوسہ گاہ احمدؐ مختار کٹ گئی

شور بکا ہے بزم میں خاموش اے زکی
ہر سمت سامعین ہیں بیہوش اے زکی
ہر لحظہ بحر غم کا رہے جوش اے زکی
یاد حسینؑ ہو نہ فراموش اے زکی
داغ عزائے شاہ سے سینہ بھرا رہے
یہ باغ آب اشک سے ہر دم ہرا رہے

غیر مطبوعہ مرثیہ

آئینہ دار بزم سخن ہے زباں مری

آئینہ دار بزم سخن ہے زباں مری
سلک گہر ہے نظم فصاحت نشاں مری
موج نسیم صبح ہے طبع رواں مری
بلبل اڑا سکے گی بھلا داستاں مری
آتی ہے جان جسم میں قوت مشام میں
خوشبو دلہن کے عطر کی ہے اس کلام میں
کیا دخل میرے سامنے غنچوں کے منہ کھلیں
بندش ہے یا گندھی ہوئی حوروں کی کاکلیں
پھولوں میں باغ خلد کے مصرع مرے تلیں
آ کر ہزار رنگ سے صدقے ہوں بلبلیں
یہ تازگی یہ رنگ و روش یادگار ہے
کیا گل ہیں کیا فضائے چمن کیا بہار ہے

سرسبز ہے سخن کہ ہوں فردوسیؔ زماں
ہے گلشن بہشت یہ گلزار بے خزاں
کھلتے ہیں آٹھ باغ جو ہوتا ہے گلفشاں
ہوتے ہیں دنگ زمزمہ پرداز بوستاں
اس ذکر سے زمین سخن عرش اوج ہے
گویا زبان چشمۂ کوثر کی موج ہے
کرتا ہوں دیکھ دیکھ کے یہ لالہ زار شکر
واجب ہے بہر بندۂ طاعت گزار شکر
رحمت پہ اس کی کیوں نہ کروں بار بار شکر
بے مثل ہیں یہ نقطۂ رنگیں ہزار شکر
چیدہ یہ پھول ہیں یہ چمن انتخاب ہیں
بین السطور ہیں کہ گلستاں کے باب ہیں
گلبانگ ہے جہاں میں مرے کلک کی حریر
تحریر میں یہ زمزمہ پیرا ہے بے نظیر
رنگیں بیانیوں سے ہے اس خاک کا خمیر
قدرت خدا کی ہے نہ کریں رشک ہمصفیر
باتیں یہی ہیں اور یہی اردو زبان ہے
لیکن یہ رنگ اس کی کریمی کی شان ہے

قدرت ہے کس میں خار کو دے گل کا آب و رنگ
کلفت دلوں سے دور کرے آئینہ سے زنگ
کرتا ہے دور قطرۂ باراں کو بیدرنگ
جوہر ملے تو لعل بدخشاں ہے ورنہ سنگ
ناقص میں اس کے فیض سے حسنِ کمال ہے
یہ واجب الوجود کا بذل و نوال ہے
آدمؑ کی کیا بساط تھی کیا اصل مشتِ خاک
سر قدسیوں کے جھک گئے جسدم ہوئی وہ پاک
ذرے بسان نیر اعظم ہیں تابناک
یہ لطف خاص ہے یہ ہے رحمت کا اشتراک
اسرار حق ہے قدرتِ رب غیور ہے
ہاں کہہ دو مدعی سے کہ سجدہ ضرور ہے
حسنِ قبول میں ہے عبث کینہ و حسد
فیاض کا یہ فیض ہے اور غیب کی مدد
یہ جوش طبع ہے کہ سمندر کا جزر و مد
تائید سرمدی مرے دعوے کی ہے سند
شہرہ ہے اس سخن کا زمیں آسمان میں
تاثیر ہے بیاں میں اثر ہے زبان میں

قطرے میں آبروئے گہر جل شانہٗ
کانٹا ہے غیرت گل تر جل شانہٗ
آہن پہ شانِ سکہ زر جل شانہٗ
ادنیٰ فقیر تاج بسر جل شانہٗ
حاسد ہیں کس حساب میں اور کس شمار میں
کیا دخل ہے مشیت پروردگار میں
ہیں قدرتی یہ بذلۂ دلکش یہ چھچھے
دریا فصاحتوں کے ہیں اک بات میں بہے
جز مدح اور کچھ نہ کوئی ہمزباں کہے
حاضر جواب صورت آئینہ چپ رہے
کھائے نہ پیچ زلف گرہ گیر کی طرح
بلبل ہو بند بلبل تصویر کی طرح
ارباب معرفت متوجہ ہوں اس طرف
محسوب ذاکروں میں ہوں میں بھی زہے شرف
اس ذکر سے ہو بزم سخن آئینہ بکف
ہے چاندنی کہ جلوۂ ایماں ہے صف بصف
یاں آکے دل جو مطلع روشن بنا کریں
میں فکر بار بار کروں وہ ثنا کریں

اس شہر میں اگرچہ ہیں کثرت سے قدرداں
بنتی ہے یاں زمینِ سخن رشک آسماں
لیکن جو آج شوق ہے بار دگر کہاں
کیا قہر ہے مشقت ذاکر ہو رائیگاں
ہر مرتبہ یہ نظم حلاوت اثر سنیں
پیدا ہو لطف حسن بیاں جس قدر سنیں
محو جمال ہوں یہ ہے آنکھوں کا مقتضا
آواز خوش پہ کان لگے رہتے ہیں سدا
چچتا ہے روز جو ہے جواہر گرانبہا
آئینہ ایک بار جو دیکھا تو لطف کیا
سنیئے نہ پھر یہ وہ سخن جاں فزا نہیں
بے چاشنی قند مکرر مزا نہیں
یہ مجلسیں یہ مرثیہ خوانی ہیں یادگار
فصل چمن تمام ہے مہماں ہے بہار
بعد اس کے پھر کہاں یہ گلستاں یہ لالہ زار
یہ رنگ یہ سماں یہ نوا سنجیِ ہزار
دیکھیں گے وہ رہیں گے جو اس انقلاب میں
یہ صحبتیں نہ پھر نظر آئیں گی خواب میں

ہے بہر نام علم کا چرچا کہیں نہیں
کیا مال ہے کمال کوئی پوچھتا نہیں
ملتے ہیں غم سے دستِ تاسف مآل بیں
کیا ہوگا آہ اے فلک پیر بعد ازیں
دیں گے شکست نظم کو بھی نثر جان کے
پوچھے گا ایک ایک سے معنی زبان کے
خاموش اے زکی نہ بجھے گی جگر کی آگ
سمجھیں نہ کچھ وہ اور جنہیں ہے سخن سے لاگ
فکر رہِ گریز مناسب ہے بھاگ بھاگ
فتنہ نہ چونک اٹھے کہیں او خفتہ بخت جاگ
کیا ذکر علم و جہل کا لطفِ بیاں گیا
مطلب پہ آ بہک کے کہاں سے کہاں گیا
ہاں صاحبانِ فہم سنیں اب یہ مرثیہ
ہو شور واہ واہ پڑھوں جب یہ مرثیہ
ہے رونمائے شاہدِ مطلب یہ مرثیہ
دفتر ہے خوبیوں کا غرض سب یہ مرثیہ
طلعت میں حرف حرف مہ با کمال ہے
دیکھو یہ وصف قاسم یوسف جمال ہے

جب ہر طرف حجاب عروس سحر ہوا
پھولے شگوفے رنگ شفق جلوہ گر ہوا
ظاہر وداع لیلی شب کا اثر ہوا
خاموش جھلملا کے چراغ قمر ہوا
پھیلی وہ ضو کہ چشم کواکب جھپک گئی
پھوٹی کرن جو مہر کی بجلی چمک گئی
دل ہو گئے نسیم کے جھونکو سے باغ باغ
تھی یہ ہوائے سرد کہ ٹھنڈے ہوئے چراغ
شبنم سے گل بنے مئے گلرنگ کے ایاغ
پہنچا فلک پہ نرگسِ مخمور کا دماغ
آئی صدا ہر اک چمن روزگار ہے
غنچے چٹک چٹک کے پکارے بہار ہے
وردی وہ صبح کی وہ ہوا بندی دہل
وہ شور الصلوٰۃ کا اور وہ اذاں کا غل
سبزہ وہ لہلہا وہ شگفتہ ہر ایک گل
لالے کے چار داغ تھے تفسیر چار قل
طائر تھے زمزموں پہ برابر تلے ہوئے
تھے پھول کھل رہے کہ صحیفے کھلے ہوئے

وہ دفتر چمن ورق گل وہ زر نگار
جدول وہ آب نہر کی وہ لوح سبزہ زار
پر تو شفق کا لطف دکھاتا تھا بار بار
دریا بنا تھا آئینۂ شاہد بہار
بلبل تھے محو دیکھ کے رنگت حباب کی
موجیں بنی تھیں عکس سے چھڑیاں گلاب کی
تھا گلشن بہشت کہ صحرائے نینوا
چرچے تھے غازیوں میں غنیمت ہے یہ ہوا
جز یاد حق زباں پہ نہ ہو ذکر ماسوا
یہ کوچ کی ہے صبح توقف نہیں روا
آمد شد نفس ہے کہ جھونکا نسیم کا
کمریں کسو جو شوق ہے باغ نعیم کا
اس سمت شامیوں میں بجا صبح کا گجر
گرجا جو طبل جنگ کھلا حالِ شور و شر
نعرے مکبروں نے کئے جھوم کر ادھر
آئی صدائے غیب یہ ہے نوبت ظفر
واں بیرق سپاہ سے در بند غم کھلا
یاں لشکر خدا میں حسینی علم کھلا

اللہ کیا جہاد کا تھا غازیوں کو جوش
آئے سلاح سج کے جوانان حلّہ پوش
وہ صاحب ولا تھے حق اندیش حق نیوش
مست الست تیغ بکف اور کفن بدوش
دامان زرفشان علم چومنے لگے
کہہ کہہ کے یا علیؑ ولی جھومنے لگے
کوفے کی فوج کا بھی پرا اس طرف جما
اک جا ہوا سمٹ کے گناہوں کا مظلما
تھرائے قلب سنتے ہی شیروں کا ہمہمہ
باطن میں لڑ کھڑائے بظاہر قدم تھما
کم ہمتی کی اور دلیلیں فزوں ہوئیں
گڑ گڑ گئے نشان صفیں سرنگوں ہوئیں
قربان یاورانِ شہنشاہ با کمال
آئے جلال و طیش میں یہ صاحب جلال
دیکھی جو دستہ بندی فوج زبوں خصال
یکدست تولنے لگے تیغیں ہوا یہ حال
وہ کثرت سپاہ نگاہوں پہ چڑھ گئی
بپھرے جری امنگ شجاعت کی بڑھ گئی

نیزہ ہلا ہلا کے پکارا کوئی دلیر
ہاں صفدران لشکرِ اسلام کیا ہے دیر
بولا یہ دیکھ کر دمِ شمشیر کوئی شیر
اے تو سہی تنوں کے ہوں پشتے سروں کے ڈھیر
چلایا کھینچ کر کوئی چلہ کمان کا
یہ تیر توڑتا ہے توا آسمان کا
ہے وقت امتحاں کسی غازی نے دی صدا
پڑھنے لگا رجز کوئی نام آورِ وغا
چشمک کسی نے کی نظری ہیں یہ بے حیا
شیروں سے آنکھ چار کریں یہ مجال کیا
فوج حصیر بن کے ہر اک صف رکی رہے
بس خیر ہے اسی میں کہ گردن جھکی رہے
نازاں ہوئے جو خسروِ عالم کے جاںنثار
گردوں سے 'ارکبــــو' کی صدا آئی ایک بار
تعقیب صبح پڑھ کے اٹھے شاہ نامدار
تسلیم کو جھکے یہ سرافراز روزگار
وہ فوج کا سلام توجہ وہ شاہ کی
ہر سمت دھوم پڑ گئی روشن نگاہ کی

عباسؑ نامدار سے بولے شہ امم
بھائی ابھی سے کھول دیا کس لئے علم
سبقت ہمیں پسند نہیں ہاشمی ہیں ہم
مشتاق سیر خلد کریں صبر کوئی دم
ثابت ہر اک طرح ستم فوج شام ہو
تیر آلیں اس طرف سے تو حجت تمام ہو
یہ ذکر ہو رہا تھا کہ تیر آئے دفعتن
بیجاں ہوئے پچاس رفیق شہ زمن
گلگوں ہوئی لہو سے شہیدوں کی انجمن
کیا خوش نصیب تھے وہ مسافر وہ بیوطن
لکھی جو تھی حیاتِ ابد سر نوشت میں
کھولی کمر ہر ایک نے جاکر بہشت میں
روئے لٹا کے گنج شہیداں میں ان کو شاہ
بولے ذبیح راہ خدا ہیں یہ بے گناہ
رخصت طلب ہوئے رہے باقی جو خیرخواہ
بچھڑے یہ غمگسار بھی حضرت سے آہ آہ
پھر تو خزاں تھی اور محمدؐ کا باغ تھا
اک دل تھا اور تمام عزیزوں کا داغ تھا

ڈوبے لہو میں مسلم بیکس کے نونہال
جعفر کے سرو قد بھی ہوئے رن میں پائمال
کام آئے ایک بار جو زینبؐ کے دونوں لال
لکھا ہے زیست ابن حسنؑ کی ہوئی وبال
صدمہ ہوا کہ دل ہمہ تن درد ہو گیا
غیرت سے رنگ اڑ گیا منہ زرد ہو گیا
پرسا بہن کو دے کے پھرے جب امام دیں
دیکھا کہ در پہ روتا ہے شبرؑ کا مہ جبیں
بیٹھا ہے خاک پر وہ دل افسردہ و حزیں
تر ہے لہو کے اشکوں سے دامان و آستیں
مرنے پہ ہے وہ سرو سہی قد تلا ہوا
ہچکی بندھی ہوئی ہے گریباں کھلا ہوا
سوئے بقیعہ دیکھ کے کہتا ہے بار بار
بابا نہیں ادائے وصیت پہ اختیار
کنبے میں سرخرو ہوئے زینبؑ کے گلعذار
صورت کسے دکھائے یہ محجوب و شرمسار
رہنا بچھڑ کے قافلے والوں سے قہر ہے
اب شربت حیات مرے حق میں زہر ہے

ہیہات ہر طرح سے ہوں لاچار کیا کروں
لاؤں کہاں سے حامی و غمخوار کیا کروں
پاس ادب ہے شاہ سے اصرار کیا کروں
بابا گلے پہ پھیرلوں تلوار کیا کروں
تدبیر اضطراب میں چلتی نہیں کوئی
رخصت کی شکل اب بھی نکلتی نہیں کوئی
دی بیوۂ حسنؑ کو یہ شبیرؑ نے صدا
لو بھابھی اور داغ ہمیں دیتی ہے قضا
دوڑے حرم تمام کھلے سر برہنہ پا
دل ہل گئے سنی جو وہ فریادِ جاں فزا
پردہ الٹ کے ماں یہ پکاری دہائی ہے
ہے ہے یہ میری کوکھ پہ آفت یہ آئی ہے
سمجھی میں بدنصیب یہ رونا ہے جس لئے
معلوم ہے یہ جان کا کھونا ہے جس لئے
ظاہر ہے بیقرار یہ ہونا ہے جس لئے
بس کھل گیا منہ اشکوں سے دھونا ہے جس لئے
سہرے کے پھول کھلتے ہی کچھ رنگ اور ہے
اے لوگو دو گھروں کی تباہی کا طور ہے

گویا ہوئی حسینؑ سے رو کر وہ محو غم
تقدیر میں یہ ہے کہ سہیں صدمہ و الم
رونا ہے بد نصیب کا اے سرور امم
لب پر فغاں زبان پہ نالے ہیں دمبدم
بیتاب ہیں عروس شہات کے واسطے
یا شاہ رو رہے ہیں یہ رخصت کے واسطے
ہمجولیوں نے ان کے کیا خلد کو سفر
روتے ہیں یہ لہو کہ ہوئے وہ لہو میں تر
کھیلے تھے جن کے ساتھ وہ گل رو گئے کدھر
ہر بار دیکھتے ہیں بحسرت اِدھر اُدھر
دل اس قلق سے ہے تہہ و بالا نہ روکئے
بس اب انہیں بھی اے شہ والا نہ روکئے
آخر بلا کے پاس بلائیں لیں اور کہا
میں اپنے پیارے بیٹے کو دلواتی ہوں رضا
آنسو یہ دل کو تیر ہیں اے میرے مہ لقا
بس بس کلیجہ دائی کا پھٹتا ہے میں فدا
آنکھیں ہیں سرخ چاند سا چہرہ اداس ہے
واری تمہارے رونے سے ماں بیحواس ہے

سچ ہے یہ وقت عرض ہے اصرار ہے ضرور
صدقے نہ ہو چچا پہ حمیّت سے ہے یہ دور
دائی نثار اس تری غیرت کے اے غیور
رخصت ملی نہ شہ سے تمہارا ہے کیا قصور
پر کس طرح سے صبر امام ہدا کریں
الفت سے ہیں حضور بھی مجبور کیا کریں

جان اپنی جانتے ہیں تمہیں شاہ کربلا
بیٹا چچا میں باپ میں کیا فرق ہے بھلا
ہے ہے یہ بیکسی یہ غم و صدمۂ و بلا
کس رنج میں کیا ہے مقدر نے مبتلا
چھٹتے ہیں وہ جو آنکھوں کے آگے سدا رہے
کیا کیا ہی دل پہ داغ برابر اٹھا رہے

زینبؑ کے لاڈلوں کے ہیں لاشے ابھی اٹھائے
کس ناز سے پلے تھے وہ معصوم ہائے ہائے
دشمن کو بھی خدا نہ یہ آفت کا دن دکھائے
کیونکر نہ جان دیں جو ہیں مرنے کو ساتھ آئے
دیتے ہیں سر قدم پہ شہ مشرقین کے
ہیں عاشق حسینؑ فدائی حسینؑ کے

کیوں رو رہے ہو تم بھی سدھارو نثار ماں
بہتر ہے جان شاہ پہ وارو نثار ماں
تن پر سلاح جنگ سنوارو نثار ماں
امید میں نہ وقت گزارو نثار ماں
صدقے گئی یہ فرض زیادہ ہے بیاہ سے
لو رخصت جہاد سلامی میں شاہ سے

منہ دیکھنے لگا شہِ دیں کا وہ رشک ماہ
فرمایا شہ نے جاؤ جو کچھ مرضیِ الٰہ
ماں بولی حال فاطمہؑ کبریٰ کا ہے تباہ
گھونگھٹ میں رو رہی ہے وہ ناشاد آہ آہ
دیدار کی امید ہے اس کم سخن کو بھی
صورت دکھاتے جاؤ میں واری دلہن کو بھی

آیا حرم سرا میں وہ نو بادۂ حرم
آنکھوں میں اشک دل میں ہجوم غم و الم
جاکر دلہن کے پاس کہا یہ بچشم نم
صاحب بس اب خدا کو تمہیں سونپتے ہیں ہم
مد نظر ہے ملک عدم کا سفر ہمیں
گھونگھٹ اٹھاؤ دیکھ لو اب اک نظر ہمیں

رخصت کا دن ہے عقد کی شب ہو گئی بسر
فرقت کی ہے یہ صبح جدائی کی ہے سحر
قسمت میں تھا کہ بستے ہی برباد ہو یہ گھر
دولہا کا سر قلم ہو دُلہن ہو برہنہ سر
ہو تفرقہ بنا نہ بنی کے قریب ہو
چوتھی کی باری آئے نہ چالا نصیب ہو
عبرت کی یہ جگہ ہے یہ رونے کا ہے مقام
تھا رنج و غم کے واسطے شادی کا اہتمام
کم ہوں گے ہم سے خلق میں ناشاد و تلخ کام
یہ مژدۂ وصال تھا یا موت کا پیام
فرصت نہ پائی گردش گردوں سے بات کی
تقدیر نے یہ رات دکھائی برات کی
صاحب اجل کے ہاتھ سے مہلت نہیں ہمیں
کہنا جو کچھ ہو کہہ لو کہ فرصت نہیں ہمیں
آرام ایک دم کسی صورت نہیں ہمیں
تم یہ نہ جاننا کہ محبت نہیں ہمیں
کس کو دکھائیں حال دلِ بیقرار کا
مجبور ہیں کہ وقت ہے یہ انتشار کا

آفت میں گھر گئے ہیں شہنشاہ نامدار
خواہاں ہیں ایک سر کے ہزاروں ستم شعار
قربان ہو رہے ہیں شہادت کے خواستگار
ہم کو بھی آرزو ہے کہ عمّو پہ ہوں نثار
اس رنج میں ہے جان پہ نوبت یہ جان لو
مشکل ہماری سہل ہو کہنا جو مان لو
دم بھر کے میہمان ہیں ہم رو رہی ہو کیا
دیکھو اٹھا کے آنکھ ادھر شرم تا کجا
دل پر کرو وہ جبر کہ چرچا ہو جا بجا
دولہا کو ایک رات کی بیاہی نے دی رضا
خلقت ہے صبر و شکر سے اس دل ملول کی
کیا مستقل مزاج ہے پوتی بتول کی
بولی وہ محو غم نہ زیادہ رلایئے
یہ ذکر بار بار زباں پر نہ لایئے
صاحب کی جو خوشی نہ غم و رنج کھایئے
مانگ اجڑے یا کہ راج لٹے خیر جایئے
صندل کے بدلے خاک کا چھاپا قبول ہے
اچھا سدھارو ہم کو رنڈاپا قبول ہے

جاتے تو ہو مگر مجھے بیوہ بناتے جاؤ
کیا گزرے گی نباہ کی صورت کوئی بتاؤ
صاحب تم اپنے ہاتھ سے نتھ چوڑیاں بڑھاؤ
کہہ دو پھوپھی سے یہ اسے رنڈ سالہ اب پہناؤ
جن سے سہاگ تھا وہ چلے منہ کو موڑ کے
گہنا اتاریں پھینک دیں سہرے کو توڑ کے
حجلے میں اس بیاں سے ہوا حشر آشکار
روتا دلہن کو چھوڑ کے نکلا وہ گلعذار
ڈیوڑھی تک اہل بیت نبیؐ آئے اشکبار
نوشہ محل سے ہوکے بر آمد ہوا سوار
چمکار کر تگاور رفرف خرام کو
تسلیم کی ادب سے امامِ انام کو
گلگوں برنگِ نگہت گلشن رواں ہوا
باد سحر چلی کہ وہ توسن رواں ہوا
ہدہد اٹھا کے ناز سے گردن رواں ہوا
گویا براق عرش نشیمن رواں ہوا
دامانِ زیں سے تیز پری کے اثر کھلے
ایسی ہوا بندھی کہ نہ پریوں کے پر کھلے

گلگشت سے سمند کی رستے مہک گئے
انسان آئے وجد میں قدسی پھڑک گئے
فرفر چلی نسیم تو غنچے چٹک گئے
ہیکل کی تختیوں کے ستارے چمک گئے
لایا بہار رنگ حنا ہاتھ پاؤں میں
نکلا غزال سیر کو تاروں کی چھاؤں میں
نازاں ہوا عنایت خالق پہ راہوار
یعنی دلیل حصن حصین ہے مرا سوار
پڑھنے لگے درود زیارت کے خواستگار
شمع حریم قدس سے مردم ہوئے دوچار
خواہاں تھے اہل دید جو اس کائنات کے
اسرار کھل گئے ملکوتی صفات کے
صل علیٰ وہ طلعتِ زیبا وہ شانِ حسن
صدقے ہوئے نثار ہوئے قدردانِ حسن
قامت کے راستے نے دکھائے نشانِ حسن
پرتو سے سطح خاک بنا آسمانِ حسن
ذرّوں میں جان پڑ گئی چہرے کے نور سے
حوریں بلائیں لینے لگیں رخ کی دور سے

چمکا رخ صبیح کا آئینۂ جمال
لکھی قلم نے زلف کی تفسیر خط و خال
آنکھوں کے سامنے نظری ہو گئے غزال
پلکیں زبان بن گئیں ہنگام قیل و قال
رتبہ گھٹا جبیں سے مہ با کمال کا
جٹی بھوؤں نے رنگ مٹایا ہلال کا
بینی سے وجہ آئینہ بینی ہوئی عیاں
سبزے سے خط کے زرد ہوا سبزۂ جناں
قائل ہوئے دہن کے سخن فہم و نکتہ داں
گلبرگ تر سے کیں لبِ رنگیں نے شوخیاں
راتوں سے تارے ہو کے خجل ڈوبنے لگے
چاہِ ذقن کی چاہ میں دل ڈوبنے لگے
چلائے شانہ ہیں کہ یہ شانے ہیں لاجواب
ہوں مہر و ماہ دوش بدوش ان سے کیا ہے تاب
حیرت فزا ہے ساعد و بازو کی آب و تاب
ہیں موج نور ہاتھ یہ قدرت کے دو حباب
شمعیں ہیں انگلیاں وہ سردست نور ہے
مہندی کا رنگ ہے کہ تجلی طور ہے

بالیدہ ہو کے ناز سے گویا ہوئی زمیں
یہ شہسوار ہے کہ مسیح فلک نشیں
توسن ہوا ہے تخت سلیماں بساطِ زیں
اللہ ری نشست زہے خاتم و نگیں
دیکھی نہیں یہ ضو مہِ کنعاں نے خواب میں
ہالے میں چاند ہے کہ قدم ہے رکاب میں
حسن صبیح ہے تو ہوا روئے مہر خلق
اور صولت و حشم نے دکھایا جلالِ حق
گونجا نہیب عدل سے صحرائے لق و دق
الٹا فلک نے فتنہ و بیداد کا ورق
گرمی پہ آفتاب جو تھا سرد ہو گیا
مریخ کا یہ رنگ ہوا زرد ہو گیا
کی مخبروں نے شام کے لشکر میں یہ پکار
پوتا خدا کے شیر کا آتا ہے ہوشیار
سکتے میں آسمان ہے جنبش میں کوہسار
چھپتے ہیں جی چھپا کے نمودار و نامدار
ہے قدرت خدا یہ جلال و حشم نہیں
یہ معرکہ بھی غزوۂ خیبر سے کم نہیں

شمشاد بوستانِ علیؑ ہے یہ نونہال
جوہر کشائے نادِ علیؑ ہے یہ نونہال
مستِ مئے ولائے ولی ہے یہ نونہال
غازی ہے صفدر ازلی ہے یہ نونہال
الٹے گا یہ صفیں کہ ہے تیوری چڑھی ہوئی
سن کم ہے پر ہے ہمت و جرأت بڑھی ہوئی
یہ ہاشمی وہ ہیں کہ ہے عالم میں جن کا شور
یاں ہے وہ دبدبہ کہ سلیمانؑ ہے مثلِ مور
بہرام ان کے ڈر سے نہاں ہے میانِ گور
قدرت کو ناز ہے وہ ہے دادا کا اس کے زور
فوجوں پہ رعب حکم رواں قافلوں پہ ہے
دستِ خدا کی ضرب کا سکتہ دلوں پہ ہے
زندہ ہے وہ جو راہ خدا میں فنا ہوا
خوشحال ہے اجل کا جو ہے سامنا ہوا
تیر غم و الم سے ہے سینہ چھنا ہوا
آیا ہے قتل گاہ میں دولہا بنا ہوا
غصہ سے منہ ہے سرخ شجاعت کا جوش ہے
یہ لالہ رو دلِ حسنؑ سبز پوش ہے

نکلیں جو آج سام و نریماں نکل سکیں
ممکن نہیں جو قبر میں کروٹ بدل سکیں
سرکش سنبھال لیں جو کلیجے سنبھل سکیں
باندھیں ہوائے جنگ اگر تیر چل سکیں
ہاریں نہ ہمتیں کہ لڑائی تھمی رہے
ہموار مورچے رہیں ہر صف جمی رہے
یہ ذکر تھا کہ آئی سواری دلیر کی
گھوڑے چراغ پا ہوئے بو پا کے شیر کی
تائید حق نے مملکتِ کفر زیر کی
غل پڑ گیا نہ موت نے آنے میں دیر کی
اڑتے ہیں ہوش دیکھ کے تیور صغیر کے
نکلا ہے گاہوارے سے اژدر کو چیر کے
پاس آکے اس غیور نے لشکر پہ کی نظر
دیکھا کہ ابن سعد لگائے ہے چتر زر
فرمایا کس لئے یہ تبختر ہے اس قدر
کچھ آفتاب روز قیامت کا بھی ہے ڈر
سائے میں چترزر کے عبث او شریر ہے
کر فکر جسم و جاں کہ دم دار و گیر ہے

ہوتی ہے اب علم مری شمشیر برقِ بار
یہ ابر شعلہ ریز ہے اور مستحقِ نار
دعویٰ ہے کچھ اگر تو نہ ہو مائل فرار
آ بڑھ کے سامنے یہ ہے میدانِ کارزار
جس سے کہ آبرو ہو وہ تدبیر چاہیے
مردوں کو رن میں سایۂ شمشیر چاہیے
روکش ہو تو مگر یہ دلیری یہ دل کہاں
لے بھیج اسے جو ہو کوئی جنگ آزما جواں
بلوا کدھر ہیں شام کے کوفے کے پہلواں
کھل جائیں جوہر تبر و خنجر و سناں
نام آوروں کو فکر نہیں نام و ننگ کی
کیوں بند ہو گئی ہے صدا طبل جنگ کی
بولا صفوں کو دیکھ کے وہ خانماں خراب
کیوں اس صغیر کا کوئی دیتا نہیں جواب
گردن جھکا کے رہ گئے خاموش شیخ و شاب
ارزق سے شمر شوم نے بڑھ کر کیا خطاب
منہ پھر گیا ہے فوج کا دشت قتال سے
تجھ کو بھی کیا ہراس ہے اس خورد سال سے

مجمع دلاوروں کا شجاعوں کا ہے ہجوم
چھائی ہوئی ہے سب پہ یہ ہیبت علی العموم
ہے آج جا بجا تری زور آوری کی دھوم
مانے ہوئے ہیں ترک صفاہان و شام و روم
الٹی ہوا چلی ہے یہ نیرنگ دہر ہے
تیور پہ تیرے میل جو آئے تو قہر ہے
گویا ہوا یہ ہنس کے وہ مغرور خود پسند
بچہ نہیں جو ہوں ترلیس باتوں پہ کاربند
لڑکوں کو ٹوکتے ہیں کہیں مرد ہوشمند
میں وہ نہیں جسے ہو گوارا یہ ریش خند
نام آوروں سے جنگ دلیروں کا کام ہے
مارا جو ایک طفل کو کیا اس میں نام ہے
اچھا یہی صلاح ہے تیری تو کیا ہے دیر
ہیں چار نور چشم مرے صفدر و دلیر
ایک ایک ان میں دیو ہے ایک ایک ان میں شیر
ہیں زورمند ان کی زبردستیوں سے زیر
رستم سے ان کو حوصلۂ کارزار ہے
یہ کودک صغیر تو ان کا شکار ہے

یہ کہہ کے اس نے ایک پسر سے کہا کہ ہاں
وہ شور پشت چھیڑ کے توسن ہوا رواں
کھولی شقی نے پڑھ کے رجز جوہر زباں
آواز دی کہ ہے یہی میدان امتحاں
اے نوجواں سنبھل جو ہے دعویٰ ستیز کا
لوہا بہت کڑا ہے مری تیغ تیز کا
غصے میں آکے دلبر شبر نے دی نہیب
بڑھ کر نہ بول او بت مکار و پر فریب
ناحق سجا ہے زیورِ جنگی برائے زیب
مضطر ہے تن میں لے خبر جان نا شکیب
نازاں نہ ہو جو قلزم آہن میں غرق ہے
اور دشمن الٰہ پہ تلوار برق ہے
پشہ ہے تیری تیغ کا جوہر ہما ہے یہ
کٹتے ہیں جس سے کوہ وہ جوہر نما ہے یہ
زہرا اسد کا آب ہو یہ ہمہما ہے یہ
ہشیار ضرب بادشہ انما ہے یہ
داؤد کا ہے معجزہ اپنی زبان میں
فولاد موم ہوتا ہے یاں ایک آن میں

دیکھیں تو کس طرح کی تری تیغ ہے کڑی
اے تو سہی کہ کھنچتے ہی بندھ جائے ہتھکڑی
بس اب تجھے اجل کی کشش کھینچنی پڑی
لے دیکھ بھولتا ہے کوئی دم میں چوکڑی
سربر نہ ہوگی او سگِ ناری تری طرح
ہو جائے گی یہ تیغ بھی عاری تری طرح
خنجر تھے یہ سخن کہ لعیں دل میں کٹ گیا
دریا جو خفتوں کا بڑھا زور گھٹ گیا
چکر میں آئی عقل مقدر الٹ گیا
کھینچی جو تیغ ہاتھ سے قبضہ لپٹ گیا
ذلّت اٹھائی معرکۂ کارزار میں
سفاک منہ کی کھا گیا پہلے ہی وار میں
لایا شقی کو پیچ میں دعوائے خودسری
سمجھا وہ بے تمیز اسے جنگ سرسری
جچتی تھی کب نظر میں یہاں وہ سپہ گری
جھپکی نہ آنکھ واہ ری شانِ دلاوری
آئی جو سر پہ تیغ شرر بار روک لی
تلوار پر دلیر نے تلوار روک لی

اٹھا حسنؑ کے لال کا یاں ہاتھ ایک بار
واں دست مدعی کو اجل نے دیا فشار
منہ کر گئی حریف کی شمشیر آبدار
سین حسام کے ہوئے دندانے آشکار
بولی قضا ہراس کی تمہید چاہیئے
خفت کے واسطے یہی تشدید چاہیئے

آنکھیں کھلیں شریر کی جب رد ہوئی وہ زد
سمجھا کہ ہاں یہ ہے جگر ضیغم صمد
نوشہ نے وار دشمنِ دیں پر کیا سند
چمکا کے تیغ تیز کہا یا علیؑ مدد
ناری جلا وہ صاعقۂ جاں ستاں گرا
سر جاکے سو قدم پہ گرا تن یہاں گرا

اس لاش کو دکھا کے پکارا وہ شیر نر
لو یہ جہنمی تو ہوا راہی سفر
جاتا ہے کون ساتھ کسے موت پر کمر
دوزخ کی راہ میں ہے ابھی یہ زبوں سیر
غربت میں بے کسی کے نہ صدمے اٹھائے یہ
جلد آئے دوسرا کہ اکیلا نہ جائے یہ

یہ سن کے کافر دوم آیا بسانِ تیر
چلایا تیر جوڑ کے چلے میں وہ شریر
میں وہ ہوں جس سے سہم کے رستم ہے گوشہ گیر
پڑھ او صغیر یاد جو ہو جوشنِ صغیر
جس سے اجل کو پیار ہے یہ وہ خدنگ ہے
پلّہ اسی خدنگ کا میدانِ جنگ ہے

نوشاہ نے بھی دوش سے حمزہؓ کی لی کمان
فرمایا ہاں بہوش یہ ناوک ہے بے اماں
چلے کو اس کے دیکھ کے حیراں ہے اک جہاں
روکش جو ہے یہ دیو میں قدرت نہ جن میں جاں
زخم جگر کو اس کے ہوا فتح یاب ہے
کھلتے ہیں گل وہ غنچۂ پیکاں میں آب ہے

واں شست سے وہ قیدی ترکش رہا ہوا
نکلا یہاں کمان سے یہ تیر بے خطا
منہ جوڑ ہو کے لڑ گئے دو طائر ہوا
عصفور شاہباز کے پنجہ میں آ گیا
ترک فلک بھی قائل دور کماں ہوا
آئی صدا کہ راس و ذنب کا قراں ہوا

آئے ہوا سے خاک پہ وہ دونوں تیز پر
دو بلبلیں گتھی ہوئی آئیں زمین پر
سہما حریف دیکھ کے یہ علم اور ہنر
چاہا کہ پھر ہو لیس وہ بدکیش و بدسیر
واں اس شقی کی جانبِ ترکش نظر گئی
یاں برقِ تیغ کوند کے بالائے سر گئی
وہ دستِ مرتعش سے رہا کھینچتا خدنگ
اور کام اپنا کر گئی شمشیر شعلہ رنگ
پھرتی ہے اس کا نام زہے بند و بست جنگ
اے جل شانہ یہ شجاعت کی ہے امنگ
ہاتھ اس شریر کا مع ترکش قلم ہوا
ترکش کا ذکر کیا سرِ سرکش قلم ہوا
پستی کو تھا برادر ثالث بھی آ چکا
چورنگ وہ ہوا یہ شش و پنج میں رہا
یاں چل گئی حسام وہ ہاں ہاں کیا کیا
رکتی ہے روکنے سے کہیں ضربتِ قضا
اجزا گنے گئے نہ تن پاش پاش کے
آئی نہ تاب دیکھ کے ٹکڑوں کو لاش کے

فرطِ غضب سے آگ ہوا وہ سیاہ رو
کھایا لہو نے جوش کہ دل ہو گیا لہو
بولا یہ آ کے غیظ میں اب میں ہوں اور تو
گویا ہوا جلال میں آکر یہ نام جو
او بے حیا یہ شور و شر اس امتحان پر
اب تو بھی کھیلتا ہے کوئی دم میں جان پر
دل میں جو تھا وہ دشمنِ ایماں ڈرا ہوا
آنکھوں کے آگے پھرنے لگی صورتِ قضا
چوتھے پسر کو ارزق شامی نے دی صدا
جا تو بھی جلد بہرِ کمک دیکھتا ہے کیا
پایا ہے وقتِ دام بلا کے اسیر نے
اندھیر ہے کیا ہے غضب اس صغیر نے
جھپٹا یہ سن کے وہ ستم آرا وہ خیرہ سر
یاں قاسم دلیر ہوئے اس پہ حملہ ور
پشتِ فرس سے کھینچ لیا تھام کر کمر
آیا وہ تیغ زن تو اسی کو کیا سپر
الٹے ہوئے وہ پیچ دمِ پیش و پس پڑا
اندھوں کی طرح آتے ہی آتے برس پڑا

دو چار وار روک کے بولا حسنؑ کا لال
او روسیہ کیا کسے تونے لہو میں لال
مبہوت اس قدر نہیں ہوتے دم جدال
ظالم ذرا برادرِ عینی کا دیکھ حال
تیغ آزمائی چاہئے ایسی ہی ڈھال پر
تف او سیاہ کار تری چال ڈھال پر
غفلت سے یک بیک جو قضا نے کیا دو چار
نادم ہوا کمال وہ نا آزمودہ کار
بولا وہ لاش پھینک کے شبر کا یادگار
لے اب لپٹ کے اس کے گلے رو بحالِ زار
او کور دل بڑا ہے مآل اس شگون کا
اچھا لیا قصاص برادر کے خون کا
دیکھی وہ لاش جھک کے بصد حسرت و الم
پی کر لہو کے گھونٹ بڑھا بانیِ ستم
بڑھنا تھا بس کہ سر پہ پڑی تیغ برق دم
یہ بھی وہیں گرا وہ جہاں توڑتا تھا دم
زخموں سے تن کے خون کے فوارے بہہ گئے
دونوں پھڑک کے سرِ راہ رہ گئے

اس موت نے مٹا دیا ارزق کا ولولہ
ٹوٹا پہاڑ سر پہ ہوا پست حوصلہ
غصے میں آ کے دیو سا چنگھاڑتا چلا
گھیرا خدا کے قہر نے نازل ہوئی بلا
کھینچی اک آہ چار طرف دیکھ بھال کے
کوڑا کیا سمند کو بھالا سنبھال کے
گرد اس ہوا پرست کی آندھی سے تھی نہ کم
بیٹوں کے غم میں خاک اڑاتا تھا دم بہ دم
ظاہر تھی اضطراب سے ہلچل قدم قدم
ابرو کے بل سے پیش نظر عقدۂ اہم
مرنے کی گو تھی فکر تھی وقت اخیر کی
تھیں مشعلیں بجھی ہوئی آنکھیں شریر کی
رکھے تھا سر پہ خود کئی من کا وہ دنی
منہ پر جھلم تھی دوش پہ تھا گرز آہنی
چلتا وہ تہہ بہ تہہ وہ غرور تہمتنی
دو ٹاک کی کمان تھی فولاد کی بنی
نیزہ تھا آبدار سپر دور دار تھی
تیغے کی شد و مد سے کمر استوار تھی

راکب جو آگ تھا تو بگولا تھا راہوار
شعلے کو بادِ تند اُڑی لے کے ایک بار
قسمت سے زندگی میں لکھا تھا عذاب نار
سوز دروں سے جلنے لگا صورت چنار
بگڑی ہوا نہ ہوش رہا ساز و برگ کا
جھلایا گرم دیکھ کے بازار مرگ کا
پہنچی خبر یہ خیمۂ عصمت میں ناگہاں
سیدانیوں کی آنکھوں سے آنسو ہوئے رواں
چلائیں سامنا ہے قیامت کا الاماں
ہے ہے کہاں یہ دیو یتیم حسنؑ کہاں
سید ہوں قتل فکر یہ ہے اہلِ شام کو
رکھے خدا جہان میں شبرؑ کے نام کو
قاسم کی ماں کو سب سے زیادہ ہوا ہراس
ہاتھوں سے دل پکڑ کے یہ بولی بحال یاس
فاقہ ہے تین روز کا چودہ پہر کی پیاس
ایسا نہ ہو کہیں مرا بچہ ہو بے حواس
سر ہو مہم خدا سے یہ بس التجا کرو
ہنگام اضطرار ہے لوگو دعا کرو

دل پر چھری چلے مجھے اس کا نہیں ملال
پہلا یہ معرکہ ہے تردد ہے یہ کمال
زخموں کے پھول دیکھ کے خوش ہو یہ نونہال
کیا جان کا خیال رہے نام کا خیال
ہمت کا دن ہے وقت یہی ہے جدال کا
سرکے نہ پاؤں منہ نہ پھرے میرے لال کا
مقتل کی سمت دیکھ کے حضرت نے دی صدا
ہاں اب ہے لطف معرکہ آرائی وغا
مستِ مۓ غرور ہے یہ بانیِ جفا
آنا نہ اس کے رعب میں اے جان مجتبیٰؑ
تم سا جہاں میں کوئی جری اور دلیر ہے
بیٹا یہ اہل زور بھی اک دم میں زیر ہے
شیر خدا کے شیر ہو تم اور یہ پیل مست
تائید حق سے فتح اِدھر ہے اُدھر شکست
ہو جائے گا یہ کوہ زمیں گیر دم میں پست
دشمن اگر قوی ست نگہباں قوی تراست
تکیہ کرم پہ اس کے بہرحال چاہئے
کیا غم ہے فضل رب ذوالافضال چاہئے

بولا یہ سر جھکا کے وہ ذی فہم و ذی وقار
فرمایئے حضور تردد نہ زینہار
یہ کیا ہے جس کے رعب میں آئے گا جاں نثار
دیکھیں تو آپ یہ بھی پہنچتا ہے سوئے نار
پیغام موت ہے غضب اس بد دماغ کا
بجھنے کی ہے دلیل بھڑکنا چراغ کا

آیا غرض قریب وہ سر ہنگ پیل تن
بولا بس اب مفر نہیں اے دلبر حسنؑ
ہے جائے شرم خاک ہوں بچوں سے ہم سخن
آئے نہ بہر جنگ علمدار صف شکن
دیکھا نہ سیف حق نے مری آن بان کو
تاکے ہوئے تھا میں تو علیؑ کے نشان کو

گویا ہوا جواب میں یہ صفدر و غیور
بے شبہ آ گیا ہے تری عقل میں فتور
او خود غلط یہ کبر یہ پندار یہ غرور
ہیں کور چشم جو کہ سمجھتے ہیں تجھ کو سور
نخوت سے ہے دماغ ترا آسمان پر
ہے اختیار دل پہ نہ قابو زبان پر

یہ دعوئے فضول سفاہت کے ہیں نشاں
مٹتی ہے ایک آن میں کیا تیری آن بان
جاں بر ہو لڑ کے ہاشمیوں سے ہے کس میں جان
سیف خدا سے تو ہو مقابل خدا کی شان
پشہ کہیں عقاب کو لایا ہے گھیر کے
ممکن نہیں شغال چڑھے منہ پر شیر کے

دم لے ذرا ابھی نہ بزرگوں کا ذکر کر
لڑکوں سے لڑ کے نام بڑھا او زبوں سیر
بس بس ہمارے سامنے ظالم یہ شور و شر
شیروں کے شیر ہوتے ہیں اس کی نہیں خبر
گھوارے بن گئے ہیں طبق رزمگاہ کے
بچے بھی قہر حق ہیں حسینی سپاہ کے

زور آور الست ہیں ہم اے عدوئے رب
پوتے ہیں اس کے جس کا ید اللہ ہے لقب
اب تک ہر ایک شخص کو حیرت ہے اور عجب
کب دیو کے بندھے ہیں انگوٹھے کھلے ہیں کب
عالم میں غل ہے دھوم زمین و زماں میں ہے
آمد ہے پہلے شور ہمان جناں میں ہے

ہیں طفل سن و سال میں ہمت میں ہیں جواں
خیبر سا قلعہ ہو تو ہو قوت کا امتحاں
دیکھو جدھر ہماری شجاعت کا ہے بیاں
سنتا ہے کون رستم دستاں کی داستاں
ہتواس لے سپر جو ارادہ وغا کا ہے
اس نیمچے کا وار طمانچہ قضا کا ہے

ظالم کے ہوش اڑ گئے منہ دیکھنے لگا
لاف و گزاف بھول گیا بانیِ جفا
ناگاہ آئی حیدرِؑ کرار کی صدا
ہاں میرے شیر کیوں نہ ہو شاباش مرحبا
تیغ دودم ہر اک سخن آبدار ہے
یہ طرز گفتگو یہ رجز یادگار ہے

مغلوب کیوں نہ ہو کہ یہ بزدل ہے تم ہزبر
دیکھو خود اپنی آگ میں جلتا ہے اب یہ گبر
ہمت نہ بندھ سکے گی کرے لاکھ دل پہ جبر
گرجو بسانِ رعد تو برسو مثالِ ابر
بیکار و بے نمود یہ سب برق و زرق ہے
اُبھرے گا خاک آب ندامت میں غرق ہے

باتوں میں دب گیا ہے یہ کبّاد و پر غرور
کھائے گا منہ کی نشۂ غفلت سے ہے یہ چور
اور آنے دو قریب مخالف ابھی ہے دور
قائم کرو سمند کو تعجیل کیا ضرور
دشمن کے مکر و فن کا تصور کئے ہوئے
اے نو نہال باغ کا پودھا لئے ہوئے

بشاش ہو گیا جگر و جانِ مجتبیٰؑ
تائید مرتضٰیؑ سے ہوا ولولہ سوا
آواز دی حریف کو سستی یہ تا کجا
بھالا سنبھال چھیڑ فرس دیکھتا ہے کیا
اپنی خبر نہ ہوش ہے گھوڑے کے تنگ کا
ہے پیش و پس عبث جو ارادہ ہے جنگ کا

کالی گھٹا کی طرح بڑھا وہ سیاہ دیو
نیزوں کو دی تکان بسان سنانِ گیو
نعرہ کیا شقی نے بصد شورش و غریو
آیا ادھر جلال میں وہ آسماں خدیو
چمکائی برق آ کے ہوا پر سحاب نے
تانی یہاں سنان شعاع آفتاب نے

اٹھے اجل کے ہاتھ کہ نیزے ہوئے بلند
کل کی طرح اشاروں پہ چلنے لگے سمند
رد و بدل کے کھل گئے جوہر بندھے جو بند
کانپا حصار قبر میں رستم کا بند بند
افعی ان اژدھوں پہ نظر کر کے چھپ گئے
اژدر دہانِ غار میں ڈر ڈر کے چھپ گئے
ہر طعن پر خفیف ہوا وہ زبوں خصال
بولا یہ شیر بند کوئی ڈھونڈھ کر نکال
فرصت بجیر چار طرف اب نہ دیکھ بھال
بولا ہر ایک اہلِ نظر اے زہے کمال
گویا طلسم دورۂ دہشت نبرد ہے
ارزق بھی گرد ہے خط ارزق بھی گرد ہے
قربان تیز دستی قاسم خوشا ہنر
دیکھا جو ایک بار کہ ڈانڈا ہے ڈانڈ پر
دی یوں تکان آ گئے جنبش میں دشت و در
یہ بھی نہ کچھ کھلا کہ وہ نیزہ گیا کدھر
کھائی جو منہ کی دل میں بڑا خار رہ گیا
حسرت سے ہاتھ مل کے ستم گار رہ گیا

شعلے کی طرح رہنے لگا سر وہ خیرہ سر
تیغا لیا نیام سے اور پشت سے سپر
الفتح کہہ کے جوش میں آیا یہ نامور
ملتے ہی باگ ہو گئی توسن کو بھی خبر
راکب دلیر تھا تو فرس بھی دلیر تھا
گردن اٹھا کے آنکھ جو بدلی تو شیر تھا
کف لا کے راہوار نے ظاہر کیا جلال
بل کھا کے منہ پہ آئے گندھے چوٹیوں کے بال
صیحہ کیا کہ گونج گیا عرصۂ قتال
تھرا گئے فلک متزلزل ہوئے جبال
آنکھیں ابل کے برق فگن ہر طرف ہوئیں
نعلوں سے چاروں پتلیاں خنجر بکف ہوئیں
کنڈا کیا جو تن کے تو دم ہو گئی چنور
دشمن پہ دانت پیس دہانے کو چاب کر
تیور وہ دیکھ کر یہ کہا سب نے یکدگر
بھاگو بچا کے جان کہ بپھرا ہے شیرِ نر
آندھی بھی اس کے رعب سے ہیبت میں آئی ہے
یہ بادپا بڑھا کہ صفوں کی صفائی ہے

یہ گرم رو بھرے جو طرارے دم جدال
ڈھل جائے دھوپ مہر درخشاں کو ہو زوال
جودت سے اس کی کفر کی کھیتی ہو پائمال
غازی بھی بے مثال ہے تازی بھی بے مثال
کیا شہسوار کیا فرسِ سر بلند ہے
راکب جو شیرِ حق ہے تو دلدل سمند ہے
ادبار نے حواس کیئے مدعی کے سلب
ہیبت نے رنگ رخ کا بنایا طلائے قلب
آیا غرض گسستہ عناں وہ شکستہ قلب
دیوانگی کے جوش میں جھپٹا بسان کلب
دل مضطرب رہا متوحش نظر رہی
نے پاؤں کا خیال نہ سر کی خبر رہی
دیکھی جو گرد آئی نہ اس برق وش کو تاب
قاسم کا بھی سمند بڑھا صورت عقاب
دشمن پہ چھا گیا جگر و جانِ بو تراب
دو چار ہاتھ چل گئے سرسر بصد شتاب
چمکیں جو تیغیں حسن صف جنگ ہو گیا
شیروں کی گردشوں سے فلک دنگ ہو گیا

اک جا سمجھ کے ضرب کا پہلو وہ یل چلا
قسمت میں تھا جو پیچ لعیں کھا کے بل چلا
خالی یہ وار بھی جو گیا منہ کے بھل چلا
قابو سے راہوار بھی دب کر نکل چلا
آئی صدا سزا یہی ردو بدل کی ہے
یہ جھوک موت کی یہ جھکائی اجل کی ہے
وہ منہ کے بل چلا کہ جھکا کوہ بے ستوں
وقت فنا کھلا اثر بخت واژگوں
قاسم نے دی نہیب سنبھل او دنیِ دوں
گھوڑے کی یال تھام لے اے کافر زبوں
سنبھلا ادھر وہ سر پہ ادھر تیغ چل گئی
لیتے ہوئے سمند کی گردن نکل گئی
بسمل نظر پڑا وہ ستمگر کیا جو غور
توسن پہ ڈگمگایا وہ بانیٔ ظلم و جور
دیکھا جو یہ حریف کا اس صف شکن نے طور
شبدیز کو بڑھا کے دیا ایک ہاتھ اور
کہتے ہیں اس کو ضرب عجب رنگ ہو گیا
رہوار بھی سوار بھی چورنگ ہو گیا

اک غل ہوا کہ واہ زہے ضرب حیدری
چورنگ ایک دم میں ہوئے پانچ خیبری
اس پر بھی تیغ تیز کی نیت نہیں بھری
قدرت خدا کی دیو کو ہے کھا گئی پری
پوچھے کوئی کہ ارزق مدہوش کیا ہوا
وہ زور و طنطنہ وہ تن و توش کیا ہوا
شہ بولے مرحبا علی اکبر پکارے واہ
عباس نے کہا کہ یہ جرأت خدا گواہ
صلِّ علیٰ کی دھوم ہے مابین رزمگاہ
دشمن بھی وجد میں ہیں زہے قدرت الٰہ
بخشا ہے حق نے زور شہِ لافتیٰ تمھیں
محفوظ چشم زخم سے رکھے خدا تمھیں
بولے حرم کریم نے سن لی یہ التجا
قاسم کی ماں نے شکر کا سجدہ کیا ادا
سجدے سے اٹھ کے ہائے غضب دیکھتی ہے کیا
نرغے میں ہے وہ رات کا دولہا گھرا ہوا
کانٹے ہے گرد بیچ میں وہ گلعذار ہے
سہرا ہے ٹکڑے ٹکڑے قبا تار تار ہے

تنہا پہ چار سمت سے ٹوٹے ہیں اہل شر
کھا کھا کے زخم فوج پہ ہوتا ہے حملہ ور
مڑ کر نجف کی سمت پکاری وہ نوحہ گر
یا مرتضیٰ علیؑ مرے بچے کی لو خبر
ہے ہے زمانہ آل پیمبرؐ سے پھر گیا
بادل میں شامیوں کے مرا چاند گھر گیا
واں زخم تن سے خون کا دریا ہوا رواں
روئی لہو کے اشکوں سے یاں بے نصیب ماں
نکلی جگر کو توڑ کے واں ظلم کی سناں
یاں دل پہ چل گئیں الم و غم کی برچھیاں
واں سر وفورِ ضعف سے ہرنے پہ جھک گیا
یاں دم قلق سے پالنے والی کا جھک گیا
چلائی ہائے اب نہیں جینے کا آسرا
اوجھل نظر سے ہوتا ہے نور نظر مرا
شادی میں ذکر غم کوئی دیکھے یہ ماجرا
لوگو دلہن سے ان کی کہو جا کے اک ذرا
جوڑا شہانہ خون میں تر آ کے دیکھ لے
دولہا کو اپنے ایک نظر آ کے دیکھ لے

حجلے سے نامراد کو لوگو اٹھا کے لاؤ
کیا رو رہے ہو ڈیوڑھی پہ کبرا کو جاکے لاؤ
سہرا بڑھاؤ اجلی سی چادر اڑھا کے لاؤ
بنڑی کو ایک رات کی بیوہ بنا کے لاؤ
کہہ دو کہ یہ جگہ نہیں شرم و حجاب کی
گھونگھٹ کا اب ہے کام نہ حاجت نقاب کی
سر پیٹتی ہوئی گئیں حجلے میں بی بیاں
آئیں دلہن کو لے کے بصد زاری و فغاں
قسمت کے انقلاب سے مہلت مگر کہاں
گھوڑے سے گر کے خاک پہ قاسم ہوئے طپاں
آئے نظر یہ حال تو کس طرح کل پڑے
خیمہ سے اہل بیت رسالت نکل پڑے
ماں بولی پیٹ کر ارے رستہ کوئی بتائے
کچھ سوجھتا نہیں ہے یہ دکھیا کدھر کو جائے
کبریٰ بھی ساتھ تھی اسی مجمع میں سر جھکائے
کہتے تھے رو کے دیکھنے والے کہ ہائے ہائے
پیٹے گی سر عروس تنِ پاش پاش پر
دیکھو دلہن یہ جاتی ہے دولہا کی لاش پر

نکلا ادھر سے خاک اڑاتا یہ قافلہ
آئے ادھر سے لاش لئے شاہ کربلا
چلائی رو کے ماں غم و آفت کی مبتلا
زندہ ہے یا گذر گیا جی سے یہ لاڈلا
قربان ہوں بلائیں لوں میں اپنے لال کی
بھائی مجھے دو لاش مرے نو نہال کی
لاشہ وہ رو کے سید مظلوم نے دیا
گودی میں اپنے گود کے پالے کو لے لیا
تھا خاک کے سوا صفِ ماتم نہ بوریا
جھاڑی زمیں پہ بیٹھ کے محشر کیا بپا
پوچھیں وہ تھیں جو گرد سے زلفیں اٹی ہوئی
سرکائیں رخ سے سہرے کی لڑیاں کٹی ہوئی
منہ رکھ کے منہ پہ بیٹے کے بولی بحال زار
اے لال تیرے چاند سے مکھڑے کے ماں نثار
خاموش کس لئے ہو مرا دل ہے بے قرار
دیکھو تو آنکھ کھول کے ماں کر رہی ہے پیار
عزت مری زیادہ ہوئی آبرو ہوئی
ڈوبے جو تم لہو میں تو ماں سرخرو ہوئی

رو رو کے لی حسینؑ سے رخصت نثار ماں
لائے بجا پدر کی وصیت نثار ماں
دولہا بنے گئے سوئے جنت نثار ماں
پروان چڑھ کے پائی شہادت نثار ماں
ہوتے ہی عقد شوق ہوا قتل گاہ کا
اے لال یہ کفن ہے کہ خلعت ہے بیاہ کا
قربان تیری شان کے اے غیرتِ چمن
چہرہ لہو سے لال ہے رنگیں ہے پیرہن
دولہا ہے خوش تو زخمِ بدن بھی ہیں خندہ زن
ماتم کی ہے یہ بزم کہ شادی کی انجمن
دولت لگی ہے نیک مجھ افسردہ حال کی
لوگو برات آئی ہے بیوہ کے لال کی
بہنوں سے کہہ دو آئیں جو ہے نیگ کی طلب
کمھلا رہا ہے دھوپ کے مارے یہ غنچہ لب
رخصت کریں عروس کو حضرت کہیں یہ سب
چڑھتی ہے دھوپ دیر مناسب نہیں ہے اب
رسموں کا دھیان ہے نہ دلہن کا خیال ہے
گرمی ستم کی ہے مرا بچہ نڈھال ہے

شانہ ہلا کے پھر یہ صدا دی بچشم تر
مجھ غمزدی کے حال پہ واری کرو نظر
طرے کا ہے خیال نہ پگڑی کی ہے خبر
جاگو کہ بیحواس ہے بیٹا تمام گھر
فرقت کا غم ہے سرورِ عالم پناہ کو
صدقے گئی سلام کرو اٹھ کے شاہ کو
واری ہلا رہی ہوں میں شانہ جواب دو
دشوار کیوں ہے ہوش میں آنا جواب دو
غفلت کا یہ نہیں ہے زمانہ جواب دو
ہے نیند یا اجل کا بہانہ جواب دو
کیا مجھ جگر کباب کو بے آس کر گئے
زندہ ہو میری جان کہ جی سے گذر گئے
بیٹا یہ جانتے ہو کہ میں ہو گئی تباہ
لوٹا قضا نے میری کمائی کو آہ آہ
صدقے میں تیری لاش کے اے فدیۂ الٰہ
اب تاب صبر کی نہیں اے میرے رشک ماہ
ہر چند چاہتی ہوں کہ ضبط بکا کروں
پر دل تڑپ رہا ہے مرے لال کیا کروں

ہے ہے نہ راس آیا تجھے تیرھواں یہ سال
ہے ہے ادھر عروج ہوا اور ادھر زوال
ہے ہے ہوا یہ بیاہ کہ جوڑا لہو سے لال
ہے ہے مرے شہید کیا تجھ کو پائمال
صرف خزاں تمام مرادوں کے باغ ہیں
روشن رہیں گے دل میں سدا جو یہ داغ ہیں
قاسم غریب ماں پہ گرا آسمانِ غم
قاسم یہ داغ تھا مری قسمت میں ہے ستم
قاسم میں رو رہی ہوں تڑپ کر بچشم نم
قاسم چھری کلیجے پہ چلتی ہے دم بہ دم
فریاد! جاگ کر مری تقدیر سو گئی
بیٹا! میں پال پوس کے بے آس ہو گئی
ہے ہے تجھے فلک نے نہ ہونے دیا جواں
ہے ہے مٹی وہ شکل ملی خاک میں وہ شاں
مرنے پہ بھی ہوئے یہ ستم ہائے میری جاں
گھوڑوں کے سم کے چاند سے سینے پہ ہیں نشاں
حضرت اٹھا سکے نہ بھتیجے کی لاش کو
لائے ردا میں رکھ کے تنِ پاش پاش کو

رانڈوں میں اس بیان سے برپا تھا شور وشین
سینہ زنی تھی اور حرم شاہِ مشرقین
ماں کہہ رہی تھی وا ولدی وائے نورِ عین
ہلتا تھا عرش خواہر قاسم کے تھے وہ بین
تھے زخم دل پہ ناخن غم کی خراش سے
لپٹی ہوئی تھی وہ بھی برادر کی لاش سے
رو کر بلائیں لیتی تھی اور پیٹتی تھی سر
کہتی تھی ہائے اے مرے مانجائے بے پدر
ہے ہے کلیجہ پھٹتا ہے صورت یہ دیکھ کر
یہ لاش ہے کہ چاند پڑا ہے لہو میں تر
غربت میں دم پہ بن گئی قسمت بگڑ گئی
ہے ہے حسنؑ حسینؑ کی کھیتی اجڑ گئی
بھیا مسافرت میں قضا ظلم کر گئی
بھائی ہوا شہید بہن کیوں نہ مر گئی
یہ کس طرح کا قہر ہوا کیا گذر گئی
بھیا نکل کے گھر سے سواری کدھر گئی
منزل کی ہے خبر نہ پتا ہے مقام کا
بھیا کہاں ہے آج ارادہ قیام کا

رخصت کرو برات کو کیا شہ نے کہہ دیا
شربت براتیوں نے پیا یا نہیں پیا
بھیا کہاں کا قصد ہے اس دھوپ میں کیا
بھیا ابھی تو نیگ بھی میں نے نہیں لیا
مانجائے کو حرم میں لگانے گلے چلوں
بھیا چلو میں سائے میں آنچل کے لے چلوں
گویا ہوئی یہ بانوئے ناشاد پیٹ کر
کیا وقت ہے دلہن کی کسی کو نہیں خبر
سہرا ہے آنسوؤں کا کھڑی ہے جھکائے سر
رو لے یہ بدنصیب بھی دولہا کی لاش پر
ہے انتظار موت کا وارث کی یاد بھی
مہمان کوئی دم کی ہے یہ نامراد بھی
بانو نے جبکہ مادرِ نوشہ سے یہ کہا
فوراً بچھائی خاک پہ اوڑھے تھی جو ردا
میت لٹا کے اس پہ بہو کو یہ دی صدا
لے بی بی تو بھی کھول کے دل رو لے خوب سا
یہ کہہ کے ماں بھی ساس کے پہلو سے ہٹ گئی
بنڑی بنے کی لاش سے آ کر لپٹ گئی

گھونگھٹ الٹ کے لاش پہ حسرت سے کی نظر
اور منہ پہ خاک مل کے یہ بولی بچشم تر
صاحب لٹوں گی یوں مجھے اس کی نہ تھی خبر
اک رات کی دلہن کو چلے کس پہ چھوڑ کر
کیا سو رہے ہو داد دو مجھ داد خواہ کی
صاحب بتاؤ اب کوئی صورت نباہ کی
ماتم کروں کہ لاش پہ آہ و بکا کروں
تازی دلہن ہوں سوگ کی کیوں کر بنا کروں
دل میں تو ہے تڑپ کہ قیامت بپا کروں
پر شرم سے زبان پہ ہے مہر کیا کروں
دریا رواں ہے اشک کا چشم پر آب سے
صاحب میں بین کر نہیں سکتی حجاب سے
صاحب ہوئے عروس شہادت سے ہمکنار
صاحب رہا یہ بیاہ بھی دنیا میں یادگار
صاحب قلق سے دم مرا گھٹتا ہے بار بار
صاحب تمہارے ہجر میں جینا ہے ناگوار
مالک سے اپنے مر کے یہ لونڈی بھی آ ملے
صاحب مجھے بھی قبر کے پہلو میں جا ملے

بس اے زکی کہ وجد میں ہیں اہلِ انجمن
بیشک ہے یہ عنایت معبود ذوالمنن
لطف زباں مذاق بیاں خوبیِ سخن
فضل خدا سے بحرِ فصاحت ہے موجزن
کیوں کر نہ ہو یہ نذر امام جلیل ہے
جاری ہے فیض چشمۂ کوثر سبیل ہے

حواشی واستدراک

۱ انتخاب یادگار: امیر مینائی: اتر پردیش اردو اکادمی لکھنؤ: ۱۹۸۲ء: ص ۱۶۱
۲ دبستان دبیر: ڈاکٹر ذاکر حسین فاروقی: نسیم بک ڈپو لکھنؤ: ۱۹۶۶ء: ص ۲۹۸
۳ انتخاب یادگار: ص ۱۶۱
۴ قصیدہ نگارانِ اتر پردیش: علی جواد زیدی: اتر پردیش اردو اکادمی لکھنؤ: ۱۹۸۳ء: ص ۱۸۲
۵ دبستان دبیر: ص ۲۹۸
۶ اخبار الصنا دید جلد دوم: نجم الغنی رامپوری: رضا لائبریری رامپور: ۱۹۹۷ء: ص ۱۱۶
۷ مرثیہ نگاران اردو (جلد دوم) مرتبہ مرزا امیر علی جونپوری: اردو پبلیشرز لکھنؤ: ص ۲۵۹
۸ انتخاب یادگار: امیر مینائی: ص ۱۶۱ او دبستان دبیر: ص ۲۹۹
۹ دبستان دبیر: ص ۲۹۸
۱۰ ایضاً: ص ۲۹۹
۱۱ ایضاً: ص ۲۹۹
۱۲ ایضاً: ص ۳۰۰
۱۳ ایضاً: ص ۳۰۱
۱۴ لکھنؤ مرکز زبان وادب: پرتو لکھنوی: دبستان آرزو بمبئی: ۱۹۸۴ء: ص ۲۶۶
۱۵ خم خانۂ جاوید جلد دوم: لالہ سری رام: دلی پرنٹنگ ورکس دہلی: ۱۹۱۷ء: ص ۶۲۴
۱۶ اردو مرثیہ: سفارش حسین رضوی: مکتبہ جامعہ نئی دہلی: جولائی ۱۹۶۵ء: ص ۳۶۹
۱۷ سید کرار حسین کا مملوکہ نسخہ جسے اس کتاب میں شائع کیا جارہا ہے اس میں درج مصرع اس طرح ہے۔ ع۔ رنگیں بیانیوں سے ہے اس خاک کا خمیر (عابد حیدری)
۱۸ دبستان دبیر: ص ۲۹۹
۱۹ اخبار الصنا دید جلد دوم: ص ۲۰۴

مختصر سوانحی خاکہ

نام :عابد حسین

قلمی نام :عابد حسین حیدری

والد :جناب یعقوب حسین ابن محمد یوسف کربلائی مرحوم

والدہ :محترمہ خاتون بی بی بنت جناب محمد فرید مرحوم

اہلیہ :شہزادی بیگم

بیٹیاں :زینت زہرا، ایلیا زہرا

بیٹے :محمد مفید، کمیل عابد

آبائی وطن :محلّہ نیا پورہ شیو پور گاڑا پوسٹ کوپا گنج ضلع مئو (یو. پی)

پیدائش :۱۰؍نومبر ۱۹۶۸ء کوپا گنج۔ مئو۔

ابتدائی تعلیم:

میری ابتدائی تعلیم مدرسہ امامیہ کوپا گنج میں ہوئی اور مولوی جاوید مرحوم سے اردو اور دینیات کی تعلیم حاصل۔ قرآن کا ناظرہ حاجی عبیداللہ انصاری نے ختم کرایا۔ بعدہٗ مدرسہ مصباح العلوم کوپا گنج سے درجہ پنجم تک تعلیم حاصل کی استاد محترم ماسٹر عزیز الرحمٰن کی خصوصی توجہ سے درجۂ پنجم میں راقم نے پورے بلاک میں امتیازی نمبر حاصل کیا۔ بعدہٗ مدرسہ جامع العلوم کوپا گنج سے عربی اول تک تعلیم حاصل کی۔ اس درمیان عربی و فارسی بورڈ الہٰ آباد سے منشی کا امتحان شبلی کالج اعظم گڑھ سے دیا۔ جس میں ممتاز نمبروں سے کامیابی حاصل کی۔ ۱۹۸۲ء میں میرا داخلہ لکھنؤ کی مشہور علمی درسگاہ سلطان المدارس میں کرایا گیا اور یہیں سے میری صلاحیتوں میں نکھار آیا۔ مدرسہ سلطان المدارس سے سندالافاضل کا امتحان پاس کرنے کے بعد دو ماہی العلم کی ملازمت کے سلسلے میں ممبئی چلا گیا جہاں ۱۹۹۵ تک ملازمت کی (العلم کے مدیر مشہور محقق مجاہد آزادی علی جواد زیدی تھے) بعدہٗ ۱۹۹۵ء میں صدر الافاضل کی سند حاصل کی۔ مدرسہ کی تعلیم کے ساتھ ساتھ شعبۂ علوم مشرقیہ لکھنؤ یونیورسٹی سے دبیر ماہر، دبیر کامل اور فاضل تفسیر کے امتحانات دیئے اور ان میں نمایاں کامیابی حاصل کی۔

اعلیٰ تعلیم :

بی۔اے	۱۹۸۹ء	شیعہ کالج لکھنؤ
ایم۔اے (اردو)	۱۹۹۱ء	لکھنؤ یونیورسٹی لکھنؤ
نیٹ (NET)	۱۹۹۶ء	یو. جی. سی. نئی دہلی
پی. ایچ. ڈی (اردو)	۲۰۰۶ء	لکھنؤ یونیورسٹی لکھنؤ

ملازمت :

☆لکھنؤ میں : پندرہ روزہ ''ہماری توحید'' سے سب ایڈیٹر کی حیثیت سے ملازمت کا آغاز ہوا جس کے ایڈیٹر مشہور سماجوادی لیڈر رام منوہر لوہیا کے ساتھی چودھری سید سبط محمد نقوی تھے۔ بعدہٗ ۱۹۸۷ء میں ہفتہ وار 'وظیفہ' لکھنؤ (انجمن وظیفۂ سادات ومومنین) کے جوائنٹ ایڈیٹر کی حیثیت ملازمت کی۔ وظیفہ کے ایڈیٹر غلام حسین (آئی اے ایس) سابق وائس چانسلر نریندر دیو زرعی یونیورسٹی فیض آباد تھے۔

☆ممبئی میں :۱۹۹۲ء میں چودھری سید سبط محمد نقوی کی ایماء پر مشہور صنعت کار سید

اختر حسن رضوی کے ذریعہ نکالے جانے والے رسالہ ''دو ماہی العلم'' میں جوائنٹ ایڈیٹر کی حیثیت سے ملازمت کی۔ اس رسالے کے مدیر مشہور محقق و ادیب پدم شری علی جواد زیدی مرحوم تھے۔ یہ رسالہ ۱۹۹۲ء سے ۱۹۹۵ تک بڑی آب و تاب سے نکلا اور اس کا مرثیہ نمبر و مرثیہ سلام نمبر، شہادت نمبر اور نعت خیر المرسلین نمبر کی ادبی حلقوں میں کافی پذیرائی ہوئی۔

☆لکھنؤ واپسی : ۱۹۹۵ء میں لکھنؤ واپس آکر روز نامہ ''صحافت'' لکھنؤ میں بحیثیت سب ایڈیٹر ملازمت شروع کی اور اس دوران یونس اختر قدوائی سلامت رضوی، سید طاہر عباس اور عرفان صدیقی جیسے صحافیوں کی رفاقت میں کام کیا۔ ۱۹۹۸ء میں برادر محترم محمد علی کی ایما پر لکھنؤ، دہلی اور ممبئ سے شائع ہونے والے دیوناگری اور اردو اخبار ہفتہ وار جدید مرکز (ایڈیٹر حسام الاسلام صدیقی) میں بحیثیت نیوز ایڈیٹر ملازمت کی اور یہ سلسلہ ۱۲/ جنوری ۲۰۰۱ء تک جاری رہا۔

☆سنبھل میں

اتر پردیش ہائر ایجوکیشن الہٰ آباد سے منتخب ہو کر بحیثیت لیکچرر ایم.جی.ایم کالج سنبھل میں ۱۵/ جنوری ۲۰۰۱ء سے اب تک درس و تدریس کا سلسلہ جاری ہے۔

انتظامی عہدے :

صدر شعبۂ اردو : ایم.جی.ایم.(پی.جی) کالج سنبھل ۱۵/ جنوری ۲۰۰۱ء سے اب تک
پروگرام آفیسر : این.ایس.ایس.(بوائز یونٹ)، ایم.جی.ایم.کالج سنبھل ستمبر ۲۰۰۳ء سے مارچ ۲۰۰۷ تک
پراکٹر : ایم.جی.ایم.کالج سنبھل جولائی ۲۰۰۲ء سے جون ۲۰۰۷ء تک

چیف پراکٹر : ایم.جی.ایم کالج سنبھل جولائی ۲۰۰۷ء سے اب تک
صدر : ٹیچرس ایسوسی ایشن ایم.جی.ایم.کالج سنبھل جولائی ۲۰۰۷ء سے اب تک
پی آئی او : ایم.جی.ایم.کالج سنبھل جولائی ۲۰۱۲ء سے اب تک
رکن : سلیبس کمیٹی ایم.جے.پی روہیل کھنڈ یونیورسٹی بریلی ۱۰-۲۰۰۹ء
سکریٹری : انٹر کالجس والی وال چیمپین شپ ایم.جے.پی روہیل کھنڈ یونیورسٹی بریلی ۲۰۰۶ء-۲۰۰۵ء
کنوینر : NAAC کمیٹی ایم.جی.ایم کالج سنبھل ۲۰۱۳ء سے اب تک
کنوینر : U.G.C. رمیڈیل کورسز ۰۹-۲۰۰۸ء ایم.جی.ایم.کالج سنبھل
کنوینر : کیریئر کونسیلنگ سیل ایم.جی.ایم.کالج سنبھل ۲۰۱۱ء سے اب تک
رکن : بورڈ آف اسٹڈیز ایم.جے.پی.روہیل کھنڈ یونیورسٹی بریلی ۲۰۰۹ء سے ۲۰۱۱ء تک
آبزرور : اتر پردیش B.Ed. کامن ٹیسٹ ۲۰۱۲ء
آبزرور : امتحانات ڈسٹینس ایجوکیشن علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ۲۰۱۲ء سے ۲۰۱۴ء تک
(متعدد سیکشن کمیٹی اور انسپکشن کمیٹی میں بحیثیت ممبر)

کتب:

۱۔ زراعت ظرفی ۱۹۹۲:

ممبئ میں دوران ملازمت سیفی بک ایجنسی کی فرمائش پر مہاراشٹر اسٹیٹ بورڈ آف پرائمری ایجوکیشن پونہ کے نصاب کے مطابق اردو میڈیم کے طلبہ کیلئے ترتیب دی۔ ایگری کلچر کے موضوع پر پرائمری طلبہ کے لئے اس میں آسان زبان کا استعمال کیا گیا ہے۔

۲۔ ادبیات کشمیر ۱۹۹۴ء:

مشہور محقق و ادیب پدم شری علی جواد زیدی کے ذریعہ کشمیر اور کشمیری ادیبوں و شاعروں پر لکھی گئی تحریروں کو مرتب کر کے نشاط پریس ٹانڈہ سے شائع کیا اس میں کشمیری ادب پر تفصیلی مقدمہ سپرد قلم کیا گیا ہے۔ یہ کتاب فخرالدین علی احمد کمیٹی حکومت اتر پردیش لکھنؤ کے مالی تعاون سے شائع ہوئی۔ اس کتاب پر متعدد تبصرے شائع ہوئے۔

۳۔ علم سیاست ۱۹۹۵ء:

دوران ملازمت ممبئی میں مہاراشٹر اسٹیٹ بورڈ آف ہائر سیکنڈری ایجوکیشن پونہ کے نصاب کے مطابق انٹرمیڈیٹ کلاس کے طلبہ کے لئے تحریر کی گئی ہے جسے سیفی بک ایجنسی ممبئی نے شائع کیا۔

۴۔ علم نفسیات ۱۹۹۵ء:

مہاراشٹر اسٹیٹ بورڈ آف ہائر سیکنڈری ایجوکیشن پونہ کے نصاب کے مطابق انٹرمیڈیٹ کے سائکالوجی کے طلبہ کے لیے لکھی گئی۔ جسے سیفی بک ایجنسی ممبئی نے شائع کیا ہے۔

۵۔ ارمغان محسن ۱۹۹۹ء:

فخرالدین علی احمد کمیٹی حکومت اتر پردیش لکھنؤ کے سابق چیرمین نہال رضوی کے اشتراک سے مشہور مرثیہ گو محسنؔ زید پوری کے مراثی کا انتخاب ہے جس پر تفصیلی مقدمہ راقم کے ذریعہ سپرد قلم کیا گیا ہے۔ اس سے زید پور کی علی و ادبی حیثیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ یہ کتاب فخرالدین علی احمد کمیٹی حکومت اتر پردیش کے مالی تعاون سے شائع ہوئی اور اس پر متعدد تبصرے بھی شائع ہوئے۔

۶۔ اردو میں شخصی مرثیے کی روایت ۲۰۰۸ء:

میرا تحقیقی مقالہ ہے جس پر لکھنؤ یونیورسٹی نے ۲۰۰۶ء میں ڈاکٹر آف فلاسفی (Ph.D.) کی ڈگری تفویض کی ہے۔ یہ مقالہ ایم. آر پبلی کیشنز نئی دہلی سے شائع ہوا اور اسے ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ اس موضوع پر باقاعدہ یہ پہلی کتاب ہے اس سے قبل چند مضامین ہی دستیاب تھے۔ اس میں شخصی مرثیہ پر تفصیلی بحث کی گئی ہے اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ کربلائی مرثیے کے ساتھ ساتھ شخصی مرثیہ بھی شانہ بشانہ ارتقائی منزلیں طے کر رہا تھا۔ اس کتاب پر اتر پردیش اردو اکادمی لکھنؤ نے انعام سے نوازا اور کئی یونیورسٹیوں نے اپنے نصاب میں شامل کیا ہے۔ اس پر متعدد تبصرے بھی شائع ہوئے۔ پروفیسر ثوبان سعید نے اس کتاب پر بہت تفصیلی تبصرہ تحریر کیا ہے اور اسے شخصی مراثی کا انسائیکلوپیڈیا قرار دیا ہے۔ اس تبصرہ کو دو ماہی اکادمی لکھنؤ نے مضمون کی شکل میں شائع کیا۔ مشہور محقق و ادیب ڈاکٹر سید سلیمان حسین نے اسے ''تلاش و تحقیق'' کا بہترین نمونہ قرار دیا ہے۔

۷۔ علی جواد زیدی شخص اور شاعر ۲۰۰۹ء:

مشہور محقق علی جواد زیدی کی شخصیت اور شاعری پر محیط پر اس کتاب کو ایم آر پبلی کیشنز نئی دہلی نے شائع کیا۔ جسے ادبی حلقوں میں قدر کی نگاہوں سے دیکھا گیا۔ متعدد تبصرے شائع ہوئے اور میری متوازن تحریر کی مبصرین نے داد تحسین دی۔ یہ کتاب میرے شائع شدہ متعدد مضامین کی کتابی شکل ہے۔ ''آج کل'' میں شائع ہونے والے مضمون ''علی جواد زیدی کی نظم گوئی'' کو پروفیسر قمر رئیس نے اپنی کتاب 'ترقی پسند ادب کے معمار' میں جگہ دی ہے۔

۸۔ رثائیات، شخصیات، تجزیات ۲۰۱۱ء:

میرے ان مضامین کا مجموعہ ہے جو زیادہ تر سیمیناروں کی ضرورت کے تحت لکھے گئے ہیں اس میں ۷ رثائی مضامین ہیں جس میں ''دبیر کی شعریات اور ماورائی فضا'' رثائی ادب میں ساختیاتی تنقید کے حوالے سے پہلا مضمون ہے۔ جو ساہتیہ اکادمی دہلی کے دوسو سالہ عالمی انیس و دبیر سیمینار میں پڑھا گیا اور جسے پروفیسر گوپی چند نارنگ نے اپنی کتاب ''انیس و دبیر'' میں شامل کیا ہے۔ اس کے علاوہ ''انیس اور زید پور'' کو ڈاکٹر ہلال نقوی (کراچی۔ پاکستان) نے رثائی ادب کے ''یادگار انیس'' نمبر میں شائع کیا ہے۔ ''انیس اور شخصی مرثیہ'' کو رضوی کالج ممبئی کے میر انیس سیمینار میں پیش کیا گیا جس پر بڑی گرما گرم بحث ہوئی۔ اس کے علاوہ ''خیام اور ویدانت'' کو جے این یو کے عالمی سیمینار میں پڑھا گیا جس پر ڈاکٹر کرن سنگھ اور پروفیسر آزرمی دخت صفوی نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ اس مضمون نے خیام پر نئی بحث کا آغاز کیا ہے۔ اس کے علاوہ ''خمریات جوش اور حافظ و خیام'' ایران کلچر ہاؤس دہلی کے سیمینار میں پیش کیا گیا تھا جس پر تبصرہ کرتے ہوئے پروفیسر محمد حسن نے اسے بہترین مقالہ قرار دیا تھا۔ بعد میں اسے پروفیسر آزری دخت صفوی نے ''فکر و نظر'' علی گڑھ کے ''فارسی ادب نمبر'' میں شائع کیا۔

۹۔ دبستان زید پور کی مرثیہ گوئی ۲۰۱۴ء:

نام نیک رفتگاں ضائع مکن۔ کے تحت یہ کتاب ترتیب دی گئی ہے۔ جس میں زید پور ضلع بارہ بنکی کے ۳۲ مرثیہ گو شعرا کے حالات و کلام کو

یکجا کیا گیا ہے۔ حالات و کلام کو پیش کرنے میں ان مرثیہ نگاروں کے مراثی کا تجزیاتی مطالعہ بھی کیا گیا ہے تاکہ قاری ان کے فن سے کما حقہ واقف ہو جائے۔ تذکروں اور ماخذ کے ساتھ ساتھ ذاتی بستوں کی ورق گردانی کر کے بہت سے ایسے مرثیہ نگار بھی سامنے آئے ہیں جو ابھی تک مرثیہ کے محققین کی نظروں سے اوجھل تھے۔

۱۰۔ شاگرد دبیر: زکی بلگرامی ۲۰۱۵ء:

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہمارے محققین نے عام طور پر چھوٹے شہروں میں رہنے والے اور قصباتی شعرا کو نظر انداز کر دیا ہے۔ جب کہ بہت سے شعرا اپنے عہد ہی میں شہرت کے بام عروج پر پہنچے لیکن بعد میں وہ گمنامی کے شکار ہو گئے۔ انہیں میں سے ایک اہم شاعر شاگرد دبیر، زکی بلگرامی ہیں۔ اس کتاب میں ان کے حالات و کوائف کے ساتھ ساتھ ان کے فن پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔ نیز ان کے دو غیر مطبوعہ مرثیوں کو بھی شامل کتاب کر دیا گیا ہے۔

آئندہ شائع ہونے والی کتابیں۔

☆ میرے تجزیاتی اوراق : مجموعہ مضامین
☆ رثائی تحائف : ترتیب تالیف
☆ اردو کے منتخب شخصی مرثیے : ترتیب و انتخاب
☆ نوحے کا ارتقائی سفر : تحقیق و تنقید
☆ علی جواد زیدی ایک مطالعہ : ترتیب و انتخاب
☆ سروش کی رباعیاں : ترتیب و تقدیم

صحافت

☆ بطور صحافی پرنٹ میڈیا میں ۱۵/ سال کا تجربہ

متعدد روز ناموں ہفت روزہ اور ماہناموں میں خبر نویسی اور ادارت کے فرائض انجام دئے جن میں ہفتہ وار وظیفہ لکھنؤ۔ پندرہ روزہ ہماری توحید لکھنؤ، دوماہی العلم ممبئ ہفت روزہ جدید مرکز دہلی۔ ممبئ لکھنؤ، روزنامہ علی الصبح لکھنؤ اور روزنامہ صحافت لکھنؤ میں بحیثیت سب ایڈیٹر، جوائنٹ ایڈیٹر اور نیوز ایڈیٹر خدمات انجام دیں۔

مضامین :

☆ قومی رسالے	۴۰
☆ بین الاقوامی رسالے	۱۰
☆ کتابوں میں شامل مضامین	۱۰

فیلوشپ:

اترپردیش اردو اکادمی لکھنؤ کے پروجیکٹ ''ہماری قومی شاعری'' جلد اول (مرتبہ علی جواد زیدی) کیلئے اردو اکادمی نے راقم کو دو سال کیلئے فیلوشپ دی۔ جس کی وجہ سے ہندوستان کی زیادہ تر لائبریریوں میں مطالعہ کرنے کا موقع ملا۔

سیمینار میں شرکت :

☆ قومی	۳۰
☆ بین الاقوامی	۸

سیمینار کا انعقاد :

☆ تین قومی اور ۵/ کالج سطح کے سیمنار منعقد کرائے۔

رسائل و جرائد شائع کیے :

☆ ایم. جی. ایم کالج سنبھل سے سالانہ میگزین 'سنگم' کا اجرا ۲۰۱۲ء میں کیا۔ جس کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔

انعامات و اعزازات:

☆ نیشنل اسکالرشپ ایوارڈ ۱۹۹۱-۱۹۹۰ء
☆ اودھ پنچ ایوارڈ ۱۹۹۷ء
☆ اترپردیش اردو اکادمی لکھنؤ کا انعام ۲۰۰۹ء
☆ ساہتیہ رتن سامانیہ گیان پرتیوگیتا اترپردیش، سنبھل ۲۰۱۴ء

DR. ABID HUSAIN HAIDARI
HOD Urdu M.G.M. (P.G.) College, Sambhal
Add: ALIYA MENTION, ABBASI TOLA, KOT (W)
Sambhal, 244302 (U.P.) INDIA
Mob: 9411097150- E:mail-drabidhusain@gmail.com